سب سے پہلا زنانہ ہفتہ وار اخبار

تہذیبِ نسواں

ماہوار اڈیشن

۵۔ مئی ۱۹۲۸ء

دار الاشاعت پنجاب لاہور

جلد ۳۱	لاہور۔ ہفتہ۔ ۵ مئی ۱۹۲۸ء	نمبر ۱۸

تہذیب نسواں

لاہور۔ ہفتہ۔ ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ

فہرست مضامین

ہم خود

اکثر مضمون نگار بہنیں اپنے مضامین کے ساتھ پوسٹ کارڈ یا ایک آنے کا ٹکٹ تو اس غرض سے بھیج دیتی ہیں۔ کہ عدم اندراج کی صورت میں انہیں اطلاع دی جا سکے۔ کہ مضمون کیوں شائع نہیں ہوا لیکن اپنا پورا پتہ تحریر فرمانا بھول جاتی ہیں۔ چنانچہ دفتر انہیں مضامین کے متعلق کسی قسم کی اطلاع پہنچانے سے معذور رہتا ہے۔

آیندہ جو بہنیں مضامین کے ساتھ جوابی کارڈ یا جوابی لفافے پر اپنا مکمل پتہ خود لکھ کر ہمیں بھیجیں گی صرف انہیں مضامین درج ہونے کی اطلاع یا درج نہ ہونے کے وجوہ لکھ کر بھیجی جائیں گی۔ ورنہ اخبار میں صرف مضمون درج ہونے یا نہ ہونے کے متعلق اطلاع شائع ہو گی۔

بعض بہنیں چاہتی ہیں۔ کہ اگر کسی وجہ سے ان کے مضامین اخبار میں درج نہ کئے جا سکیں۔ تو ان کو واپس کر دئے جائیں۔ کہ وہ کسی دوسرے اخبار یا رسالے میں بھیج سکیں۔ ایسی صورت میں واضح طور سے مضمون پر لکھ دینا چاہئے۔ کہ عدم اندراج کی صورت میں اسے واپس کر دیا جائے۔ کئی مرتبہ بہت عرصہ کے بعد واپسی کا تقاضا کیا جاتا ہے۔ اور پھر صاحب مضمون کو مایوسی اور ہمیں شرمندگی اُٹھانی پڑتی ہے۔

بعض بہنوں کو دفتر سے یہ شکایت رہتی ہے۔ کہ ان کا مضمون درج کرنے کا وعدہ تو کر لیا جاتا ہے۔ لیکن پھر وہ شائع نہیں کیا جاتا۔ اس کے متعلق واضح ہونا چاہئے۔ کہ

۱۔ بعض مضامین قابل اندراج قرار دیے گئے بعد اس وجہ سے درج نہیں کئے جاتے۔ کہ اس قسم کا کوئی مضمون اُسی زمانے میں چھپ چکا ہوتا ہے۔ کئی اہم موضوع ایسے ہیں۔ جن پر بار بار مضمون لکھنے اور لوگوں کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ بہت تھوڑے وقفے سے ایک ہی سی باتیں لوگوں کے سامنے دہرائی جائیں۔ چنانچہ مضمون مذکور سب تحت انتظار میں رکھا جاتا ہے۔ اور کچھ مدت بعد شائع کیا جاتا ہے۔

۲۔ ایک درمیانے درجے کا مضمون قابل اندراج قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے بعد ضروری اور اعلیٰ درجے کے مضامین اس کثرت سے آ جاتے ہیں۔ کہ اس کے چھپنے کی باری نہیں آتی۔ مضامین درج کرتے وقت ہم اس بات کا خیال نہیں کرتے۔ کہ پہلے کونسا مضمون آیا تھا۔ بلکہ یہ دیکھتے ہیں۔ کہ جو مضامین فائل میں موجود ہیں۔ ان میں سے بہتر کون سے ہیں۔ ایڈیٹر

صغرسنی کی شادی

ہندوؤں میں زمانہ قدیم سے بچپن کی شادی کا رواج بالکل عام رہا ہے۔ جب مسلمان ہندوستان میں آکر آباد ہوئے۔ تو انہوں نے بھی جہاں ہندوؤں کی اور رسوم کو اختیار کیا۔ وہاں اس بچپن کی شادی کا رواج بھی ان کے ہاں ترقی پکڑ گیا۔ اگرچہ ہندوؤں کی نسبت بہت کم۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دوسرے ممالک کے مسلمانوں میں یہ رواج النادر کالمعدوم ہے۔

اس رواج نے نہ صرف فرقہ اناث ہی پر بڑے بڑے ظلم توڑے ہے۔ بلکہ ہندوستانی قوم کی جسمانی اور روحانی حالت کو بھی بہت ابتر بنا دیا ہے۔ مس میو نے اپنی کتاب "مدر انڈیا" میں خاص طور پر اس پر روشنی ڈالی ہے۔ اور ساتھ ہی اس کی کئی ایک جگر سوز مثالیں بھی دی ہیں۔

آخر ہندوستانی لیڈروں کی آنکھیں بھی کھلیں اور باوجود سخت مخالفت کے مسٹر ہربلاس سارڈا نے مجلس وضع قوانین ہند میں ایک بل پیش کر دیا ہے۔ جس کی رو سے بچپن کی شادی کو قانوناً ممنوع قرار دیا جائے گا۔ پہلے یہ بل صرف ہندوؤں تک محدود رکھا گیا تھا۔ مگر جب یہ مسودہ ابتدائی بحث و مباحثہ کے بعد ایک منتخب کمیٹی کے سپرد کیا گیا۔ تو اس میں دو اہم ترمیمیں کر دی گئیں۔ ایک یہ کہ اس مسودہ قانون کو تعزیری بنا دیا جائے۔ یعنی اگر کسی شادی میں لڑکے کی عمر ۱۸ سال اور لڑکی کی عمر ۱۴ سال سے کم ہوگی۔ تو لڑکے کو یا ایسی شادی کرانے والوں (والدین و سرپرست وغیرہ) کو ایک ہزار روپیہ جرمانہ یا ایک ماہ قید محض کی سزا دی جائے گی۔ دوسری یہ کہ اس قانون کو صرف ہندوؤں ہی پر نہیں۔ بلکہ تمام قوموں پر عائد کر دیا جائے۔ اب یہ مسودہ قانون حکومت ہند نے گزٹ میں استصواب رائے عامہ کے لئے شائع کیا گیا ہے۔ اس منتخب کمیٹی میں بعض مسلمان ممبر تھے جنہوں نے اس مسودہ کی حمایت کی۔ پچھلے دنوں جو آل انڈیا لیڈرز کانفرنس دہلی میں ہوئی تھی ان کا ایک وفد وائسرائے کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا۔ کہ یہ مسودہ قانون ضرور پاس کر کے ملک میں رائج کر دینا چاہئے۔ وائسرائے نے ان کو بہت تسلی بخش جواب دیا۔ اور کہا۔ کہ گورنمنٹ خود اس کے حق میں ہے۔

پرانے خیالات کے ہندوؤں نے اس بل کی شروع ہی سے مخالفت کی تھی۔ مگر اب تو ہمارے مسلمان لیڈر اور اخبارات بھی میدان کارزار میں کود پڑے ہیں۔ اور شور مچا رہا ہے۔ کہ مسلمان گورنمنٹ کی اس مداخلت فی الدین کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتے

اور یہ شریعت اسلام پر حملہ ہے۔ جب شریعت صغر سنی کے نکاح کو جائز تصور کرتی ہے۔ تو خدا کے سوا کوئی اس کو بدل نہیں سکتا۔

مقام تعجب ہے کہ اور ہزاروں باتیں خلاف شرع مسلمانوں میں رائج ہیں۔ مثلاً شریعت نے عورت کو خلع کا حق دیا ہے۔ مگر حکومت کی "شرع محمدی" نے ان کا یہ حق غصب کر لیا ہے۔ لیکن نہ تو گورنمنٹ کو اس کی پروا ہے۔ اور نہ ہمارے "اسلامی" اخبارات اور لیڈروں کو۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ کئی ایک مسلمان عورتیں ظالم شوہروں سے نجات پانے کے لئے عیسائی اور آریا ہو گئیں۔ اب کہ ایک مفید تحریک ملک میں شروع کی گئی ہے۔ تو سب کے قلم اس کے خلاف صفحۂ قرطاس پر جولانیاں دکھانے لگے۔ چنانچہ ایک اسلامی اخبار اس سلسلے میں لکھتا ہے:۔

"ہمارے نظام معاشرت میں اکثر اوقات ایسے مواقع آ جاتے ہیں کہ بعد بلوغ اچھا رشتہ نہ ملنے کے خوف سے قبل بلوغ کا نکاح ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے نکاح پر کوئی پابندی قانوناً عائد کرنا صریح مداخلت فی الدین ہے۔ اور حکومت کو اس کا خیال بھی اپنے دماغ میں نہ لانا چاہئے۔ لڑکے لڑکی کی شادی کرنے والے بزرگوں کو چاہئے۔ کہ جب تک زوجین بالغ نہ ہو جائیں۔ رخصت کی رسم عمل میں نہ لائیں۔ تاکہ بچپن کی شادی کے مضرات کا سد باب ہو سکے"

واہ سبحان اللہ۔ عذر گناہ بدتر از گناہ۔ ان حضرات سے کوئی پوچھے۔ کہ پھر نکاح میں ایجاب و قبول اور لڑکے لڑکی کی رضامندی جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ وہ کہاں گئی؟ اور اس کے کیا معنے ہوئے جب کہ لڑکا لڑکی ابھی گود کے بچے ہوں۔ اور انہیں یہ خبر بھی نہیں۔ کہ شادی کیا چیز ہے۔ اور آیا ہم ابا جان اور اماں جان کوئی تماشا دکھانے لئے جا رہے ہیں۔ یا ہماری آئندہ قسمتوں کا فیصلہ ہونے لگا ہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ بچپن کی شادیاں بہت کم کامیاب اور باعث راحت زوجین ثابت ہوتی ہیں۔ اور جو جسمانی صحت تباہ و برباد ہوتی ہے۔ وہ الگ۔ چاہے بقول اڈیٹر صاحب اخبار مذکور رخصت کی رسم بعد ہی میں عمل میں لائی جائے۔

یہی اڈیٹر صاحب لکھتے ہیں۔ کہ جن عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ اس کی فہرست قرآن میں موجود ہے۔ اس میں نابالغ یا نابالغہ کا کوئی ذکر نہیں۔ آئیے اب دیکھیں۔ کہ قرآن مجید اس کے متعلق کیا کہتا ہے۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فانکحوا ما طاب لکم من النساء۔ یعنی ایسی عورتوں سے نکاح کرو۔ جو تمہیں پسند ہوں" اب بتلائیے۔ کہ ایک چار پانچ برس کا چھوٹی عمر کا بچہ عورتوں کے معاملہ میں پسندگی یا ناپسندیدگی کس طرح کر سکتا ہے جبکہ وہ شادی یا زن و شو کے تعلقات کو سمجھنے ہی سے

ماسرہے؟ اس جگہ یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ اباجان اور اماں جان بچہ کو گود میں اُٹھا کر اس کی شادی کرائیں۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ مرد عورت کو اور عورت مرد کو شادی سے پہلے دیکھ کر پسند کرلیں۔ اور ان کی رضامندی سے شادی ہو۔ یہ بات بچپن کی شادی میں مفقود ہے۔ دوسرے لفظ النساء خلاف قیاس جمع ہے امرءۃ کی۔ جو ایک جوان بالغ عورت کے لئے بولا جاتا ہے نابالغ چھوٹی لڑکی کو تو عربی میں صبیہ کہتے ہیں۔ اس لئے یہاں نہ صرف یہی مراد ہے۔ کہ مرد جوان ہو۔ بلکہ عورت بھی جوان ہو۔ تب باہمی پسندیدگی سے شادی ہو۔

سورۃ النساء ہی میں آگے چل کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وابتلوا الیتمٰی حتے اذا بلغوا النکاح۔ یعنی یتیموں کا امتحان لیتے رہو۔ یہاں تک کہ جب وہ شادی کی عمر کو پہنچ جائیں۔ پھر فرمایا۔ فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم۔ تب اگر تم ان میں عقل کی پختگی پاؤ۔ تو ان کے مال ان کے حوالے کردو۔ اب نکاح کے اصلی معنی عقد یا شادی ہیں۔ مگر یہاں نکاح کو پہنچنے سے مراد حد بلوغ کو پہنچنا ہے۔ جب انسان اس قابل ہو جاتا ہے۔ کہ اس کی شادی کی جائے۔ اور اس میں عقل کی پختگی آجائے۔ جو ایک چھوٹے بچے میں نہیں ہوتی۔ یہاں بلوغ کی بجائے لفظ نکاح رکھنے میں یہ بھی اشارہ ہے۔ کہ نکاح یا عقد کا تعلق بلوغ سے ہے۔ کیونکہ یہاں نکاح اور بلوغ کو ہم معنے قرار دیا ہے۔ پس اس سے صاف ظاہر ہوا۔ کہ صغر سنی یا بچپن کی عمر میں شادی کرنی جائز نہیں۔ بلوغ کا سن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اٹھارہ سال اور امام شافعی کے نزدیک پندرہ سال ہے۔ اور حضرت ابن عباس سے بھی لڑکے کے بلوغ کو پہنچنے کی عمر اٹھارہ سال ہونے پر روایت ہے۔

صحابہ کرام کی زندگیوں میں ہمیں کوئی مثال صغر سنی کی شادی کی نظر نہیں آتی۔ صرف یہ دیکھے کہ کہا جاتا ہے۔ کہ جب آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہؓ سے نکاح فرمایا۔ تو اس وقت آپ چھ یا سات برس کی تھیں۔ اور رخصتی تین سال بعد ہوئی۔ یعنی آپ اس وقت ۹ یا ۱۰ برس کی تھیں۔ سب سے پہلی بات جو میں اس کے متعلق عرض کرنی چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت کی شادیاں بعض خاص مصلحتوں اور ضروریات دینی پر مبنی تھیں۔ آپ نے ۹ شادیاں کیں۔ مگر عام مسلمانوں کے لئے چار شادیوں سے زیادہ کی اجازت نہیں دی۔ اسی طرح اگر بالفرض آپ نے کسی خاص وجہ یا مصلحت کی بنا پر حضرت عائشہ سے ۹۔ ۱۰ برس کی عمر میں شادی کی۔ جس عمر میں عرب جیسے گرم ملک میں ایک لڑکی کا بلوغت کی عمر کو پہنچ جانا بالکل قرین قیاس ہے۔ ہم مسلمانوں کو بھی اندھا دھند بلا وجہ اس کی تقلید کسی طرح جائز نہیں۔ خاص طور پر صغر سنی کی شادی سے نہ صرف عورت اور مرد کی صحت اور جسمانی حالت ہی خراب ہوتی ہے۔ بلکہ

اولاد نہایت ناقص الجسم اور ناقص العقل پیدا ہوتی ہے ۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شادی کے وقت کی عمر میں بھی اختلاف ہے ۔ کتاب اکمال فی اسم رجال میں جو اسماء رجال کی ایک مستند کتاب ہے ۔ یہ لکھا ہے ۔ کہ حضرت اسماء جو حضرت عائشہ صدیقہ کی حقیقی بہن تھیں ۔ حضرت عائشہ سے پورے دس برس بڑی تھیں ۔ اور ۷۳ھ میں سو برس کی عمر پا کر آپ کا انتقال ہوا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ حضرت اسماء ۲۷ سال قبل ہجرت پیدا ہوئیں ۔ اور اس لحاظ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی پیدائش ہجرت سے ۱۷ سال قبل ہوئی ۔ ہجرت سے ۳ سال قبل آپ کا نکاح مسلمات سے ہے ۔ گویا اس وقت آپ کی عمر چودہ سال تھی ۔ اور رخصت کے وقت آپ کی سترہ سال کی تھی ۔

بہرحال اس لمبی بحث سے میرا مطلب یہ ہے ۔ کہ اسلام صغر سنی کی شادی کو بنظر استحسان نہیں دیکھتا ۔ بھلا اسلام جیسا کامل ۔ سچا اور فطرت انسانی کے عین مطابق مذہب کب اس قسم کی بات جائز قرار دے سکتا ہے ۔ جس سے نہ صرف ایک ہی خاندان بلکہ قوم کی قوم تباہ ہو جائے ؟ خود نبی کریمؐ نے ۲۵ سال کی عمر میں پہلی شادی کی ۔ اور وہ بھی حضرت خدیجہ سے جن کی عمر اس وقت چالیس سال کی تھی ۔ یورپین اقوام کے مضبوط ڈیل ڈول ۔ لمبے قد ، اچھی صحتوں اور طویل عمروں کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے ۔ کہ وہ سن بلوغت کو پہنچ چکنے کے کافی دیر بعد شادی کرتے ہیں ۔

اصل میں ہندوستان میں صغر سنی کی شادیوں کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے ۔ کہ والدین خود اپنے بچوں کی شادیاں کرتے ہیں ۔ اور تمام اخراجات کے خود متحمل ہوتے ہیں ۔ اور لڑکوں اور لڑکیوں کی مرضی اور رائے بہت کم پوچھی جاتی ہے ۔ اس لئے ۔ ۔ اس فرض کو جہاں تک ہو سکے ۔ جلد ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ کیونکہ موت کا کچھ پتہ نہیں ۔ کہ کب آ جائے ۔ اور چونکہ لڑکی اور لڑکے کی مرضی کا بہت کم خیال کیا جاتا ہے ۔ اس لئے صغر سنی میں اگر کوئی رشتہ اچھا ملتا ہے ۔ تو جلدی سے کر لیتے ہیں ۔ کہ شاید بعد میں ایسا عمدہ رشتہ ہاتھ نہ آئے ۔ لیکن اگر سب لوگ قانوناً اس بات پر مجبور کئے جائیں کہ اپنے بچوں کی صغر سنی میں شادی نہ کریں ۔ تو پھر "شاید بعد میں ایسا عمدہ رشتہ ہاتھ نہ آئے" کا سوال ہی باقی نہیں رہتا ۔ دوسرے وہ رشتہ عمدہ بھی ثابت نہ ہوگا ۔ جو صغر سنی میں کیا جائے ۔ کیونکہ لڑکے لڑکی کی مرضی ۔ پسندیدگی اور طبیعتوں کے موافق یا غیر موافق ہونے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی تھی ۔ اگر والدین لڑکے اور لڑکی کے نام سے ساتھ ساتھ بنک میں روپیہ جمع کراتے جائیں ۔ تو اگر وہ ان کے بلوغت کے پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو جائیں ۔ تب بھی لڑکے لڑکی کی شادی کے لئے کافی روپیہ بنک میں جمع

ہوچکے گا - اور اگر ان کے بلوغت کو پہنچنے کے بعد تک
زندہ رہیں - تو فبہا - وہی جمع شدہ روپیہ ان کی شادیوں
پر لگا دیں - بہرحال صغر سنی کی شادی کی ضرورت نہیں
رہتی - اس لئے اسلامی اخباروں اور اسلامی لیڈروں
کی خدمت میں میری گزارش ہے - کہ آپ لوگ بے
فائدہ اس مسودۂ قانون کی جو صغر سنی کی شادیوں کو
ممنوع اور تعزیری قرار دینے کے لئے بنایا گیا ہے -
مخالفت نہ کریں - اور شریعت اسلامی کو ایک کھیل
نہ بنائیں - شریعت اسلامی صغر سنی کی شادی کو بنظر
استحسان نہیں دیکھتی - اس لئے کم از کم آپ لوگ
اس حربے کو ہاتھ میں لے کر مسلمانوں کو مخالفت پر
آمادہ نہیں کر سکتے ؂

میں اپنی اسلامی بہنوں اور مستورات کی خدمت
میں خاص طور پر عرض کروں گا - کہ صغر سنی کی شادی
کو روکنے میں وہ اپنا پورا زور لگائیں - اخباروں میں
اور لکچروں میں اس بات پر اصرار کریں - کہ یہ قانون
ٹھیک ہے - اور یہ ضرور پاس ہو جانا چاہئے
کہ اس میں نہ صرف فرقہ اناث کا بلکہ تمام ملک و
قوم کا بھلا ہے -

ممتاز احمد فاروقی بی اے

ہندوستان کا مروّجہ پردہ

پردہ کی بحث پر کئی بہنوں نے مجھے خط بھیجے
کہ اس بارہ میں میں نے اپنا خیال اب تک
کیوں نہ ظاہر کیا - بات یہ ہے - کہ میرے نزدیک
ابھی تک پردہ بحث کی جھاڑیوں میں الجھا ہوا
ہے - اور اس مروجہ پردہ میں عملی تغیر و تبدل کی منزل
مجھے ابھی تک بہت دور معلوم ہوتی ہے - اس لئے
میں اس بحث کو زیادہ نتیجہ خیز نہیں سمجھتی - اس
بحث کے دو پہلو مجھے غیر معمولی معلوم ہوتے ہیں ایک
تو یہ کہ مروجہ پردہ کی بحث میں شرعی پردہ کی بحث
ضرور شامل ہو جاتی ہے - دوسرے پردہ کا رواج
ترک کرنے کی تائید میں افغانستان کی ملکہ اور خواتین
ترکی کی مثال ہمیشہ پیش کی جاتی ہے -

میرے نزدیک ہندوستان میں پردہ کبھی اسلامی
شعار کی حیثیت سے رائج نہیں ہوا - اگر پردہ کی
حیثیت محض شعار اسلامی ہوتی - تو راجپوتوں میں
پردہ کیوں ہوتا؟ راجپوتانہ کے راجپوتوں میں مسلمانوں
سے بھی زیادہ شدید پردہ ہے - ان کے محلات کی
دیواروں میں کھڑکی تو درکنار سوراخ بھی نہیں
ہوتے - راجپوت امراء کی عورتیں ریلوں میں
پردے کے سخت اہتمام کے ساتھ سوار ہوتی ہیں -
بہت سے راجاؤں نے تو ریل کی پٹری زنانہ
محلوں تک پہنچا رکھی ہے - تاکہ رانیاں محل کے

اور سوار ہو سکیں۔ عام ہندو عورتوں میں جیٹھ سے سخت پردہ کا رواج ہے۔ گھونگٹ خاص ہندوستان کا مسلک ہے۔ اور بعض مورخین تو ہندوستان میں پردہ کا رواج بہت قدم تات کرتے ہیں۔

میری رائے میں تو ہندوستان کا موسم۔ یہاں کا تمدن۔ یہاں کے تاریخی حالات اور یہاں کے رسم ورواجات رسم پردہ کے ذمہ دار ہیں۔ لہذا اس معاشرتی رسم کی بحث کے سلسلے میں کھینچ تاں کر مذہبی بحث چھیڑنا۔ کہ شرع نے کس نوعیت کے پردہ کا کس حد تک حکم دیا ہے۔ بالکل بےمحل ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے۔ کہ شادی میں دولہا کے جب سہرا باندھا جاتا ہے۔ تو بحث چھیڑتی ہے کہ شریعت تو محض پھولوں کے سہرے کی اجازت دیتی ہے گوٹا اور زری کا سہرا ناجائز ہے۔ چنانچہ بڑے بڑے عالم پھولوں کے سہرے کے ساتھ خوشی خوشی نکاح پڑھا لیتے ہیں۔ اسی طرح عوام میں آرسی مصحف جیسی رسوم کو اسلامی شعار تصور کیا جانے لگا۔ حالانکہ شریعت کو ان ہندوستانی رسوم سے مطلق کوئی تعلق نہیں۔

اس مذہبی بحث کے شامل ہو جانے سے بڑا نقصان یہ ہوا۔ کہ عام مصلحان قوم کی توجہ اس طرف مائل ہو گئی۔ کہ پردہ کی صرف شرعی صورت باقی رکھی جائے۔ اور جو صورت شرعی پردہ سے زائد ہے۔ وہ بدعت ہے۔ لہذا اس کو ترک کرنا چاہئے۔ یعنی مصلحان قوم کی مخاطب صرف مستورات رہ گئی ہیں۔ اگر پردہ کو شعار اسلامی کی بجائے ایک معاشرتی یا تمدنی شعار سمجھا جاتا۔ تو عورت و مرد دونوں طرف کی اصلاح مدنظر ہوتی۔ اگر ایک طرف عورتوں کو پردہ کے موجودہ مبالغہ کی طرف متوجہ کیا جاتا۔ تو دوسری طرف مردوں کو اصلاح تمدن کی طرف مائل کیا جاتا۔ کہ وہ اپنے عادات و اطوار اور خصائل میں ایسی تبدیلی پیدا کریں۔ کہ پردہ کی ضرورت خود بخود بتدریج کم ہو جائے۔

اصلاح پسندوں کو سوچنا چاہئے۔ کہ ملکہ افغانستان نے ہندوستان میں کیوں پردہ کیا۔ اور یورپ میں کیوں نقاب اٹھا دیا؟ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ عورت مرد کے باہمی تعلقات کے متعلق یورپ کا اخلاق اور معاشرتی معیار ہندوستان سے بلند تر ہے۔ ورنہ آخر کوئی اور وجہ بتلایئے۔ کہ کیوں ملکہ ثریا بیگم یورپ میں پہنچ کر بےنقاب ہو گئیں۔ اور غالباً جب وہ ہندوستان واپس ہوں گی۔ تو چہرے پر پھر نقاب ہوگا۔ بیگم صاحبہ بھوپال تو بہت روشن خیال خاتون ہیں۔ وہ کیوں آج تک بےنقاب نہیں ہوئیں؟ کیا وہ مذہبی احکامات سے ناواقف ہیں؟ شاہ جہاں پور میں کراچی کے بہت سے مسلمان تاجر آباد ہیں۔ جو غالباً میمن ہیں۔ ان کی خواتین سے میری ملاقات تھی۔ وہ شاہ جہاں پور

میں سخت پردہ کرتی تھیں۔ مگر کبھی تھیں۔ کہ وہ کراچی میں پردہ نہیں کرتیں۔ اس لئے کہ وہاں ہندو مسلمان۔ پارسی اور یہودی شرفاء کی خواتین عام طور پر بے پردہ پھرتی ہیں + وہاں کا دستور ہے۔ کہ گزرگاہوں اور سڑکوں پر مرد خواتین کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ اور سوسائٹی کا ایسا زبردست اثر ہے۔ کہ کسی مرد کی اتنی ہمت اور مجال نہیں۔ کہ کسی راستہ چلتی عورت کے ساتھ مذاق یا تمسخر کر سکے +

جو لوگ ترکی یا افغانستان کی مثال پیش کرتے ہیں۔ ان کو بضرور معلوم ہوگا۔ کہ قومی حکومت اور غیر ملکی حکومت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ترکی اور افغانستان میں حکومت اور رعایا کا ایک مذہب ہے۔ دونوں کی قوم۔ رسم و رواج۔ تمدن اور معاشرت سب ایک۔ اور دونوں کی غیرت و حمیت مشترک۔ اگر غیر ملکی حکومت ہو۔ اور ہندوستان جیسا وسیع ملک ہو۔ جس میں تمدن کے مدارج مختلف۔ رسم و رواج مختلف۔ حکومت اور رعایا کی قومیت مختلف ہے تو پھر کوئی مشابہت ابھی باقی نہیں رہتی +

افغانستان اور ترکی میں اگر ایک عورت کی توہین ہو۔ تو ساری قوم برانگیختہ اور مشتعل ہوگی۔ اور مجرم سے انتقام کی خواہاں ہوگی۔ مگر ہندوستان میں ابھی ایسی کتابوں کی تصنیف کا شوق ہے۔ جس میں ایک قوم کا مرد دوسری قوم کی عورت کی توہین کرتا ہے۔ اور مؤلف کتاب فخریہ لہجے میں وہ واقعہ بیان کرتا ہے۔ اور اپنی قوم کے سامنے وہ کتاب پیش کر کے داد کا خواہاں ہوتا ہے + اگر ایک جوان مرد کسی جوان لڑکی کو راستے میں چھیڑتا ہے۔ تو انگریز مجسٹریٹ فیصلہ کرتا ہے کہ اس عمر میں اس قسم کی حرکات قدرتی رجحانات کا تقاضا ہے۔ ایسی چھیڑ چھاڑ کوئی جرم نہیں۔ کسی عورت کا گھر سے شوہر کی بلا اطلاع کسی دوسرے گھر جانا اور رہنا۔ اور غیر مرد سے دوستانہ تعلقات رکھنا ہمارے حکمراں طبقے کے نزدیک کوئی معاشرتی جرم نہیں ہے + اگر ہنا کسی مسلمان عورت پر ریل میں مصیبت گزر جائے۔ تو ہندو مرد و عورت اس خبر کو بے پروائی سے سنتی ہیں۔ اسی طرح اگر کسی ہندو عورت کی سفر یا جانے کے مقام پر توہین ہو جاتی ہے۔ تو اس سے مسلمان متاثر نہیں ہوتے۔ غرض ہندوستان کے افراد جو قومیت کے جوش اور احساس سے مطلق بے خبر ہیں۔ ان کو افغانستان اور ترکی کے رواجات سے کیا تعلق؟ رہیں جھونپڑوں میں اور خواب دیکھیں محلوں کا +

تہذیب مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۲۷ء میں محترمہ بہن نذر سجاد صاحبہ نے ایک معترض کا جواب دیتے ہوئے بالکل حق بات کہی تھی۔ کہ بیک اور صحیح معنوں میں ایسے تعلیم یافتہ نوجوان جو احکام شرع کے مطابق

کسی عورت کو دیکھ کر اپنی نظریں جھکا لیں۔ مجھے بتایئے۔ آج کل کہاں ہیں؟" یہ ایک نہایت روشن خیال اور مخالف پردہ خاتون کا قول ہے۔ جو مسلمانوں کی سوسائٹی کے بہترین مردوں اور نوجوانوں کے مرکز میں ایک مدت سے قیام پذیر ہیں۔ ان کی تحریر کا ماحصل یہ ہے۔ کہ مردوں کو اصلاح اپنے طبقے سے شروع کرنی چاہئے۔

میری اس تحریر کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں پردہ اسلامی شعار کی حیثیت سے قایم نہیں ہے۔ کہ احکام شریعت کی رُو سے اس کی اصلاح کی فکریں کی جارہی ہیں۔ بلکہ یہ ایک معاشرتی رسم ہے۔ جو مقامی حالات نے پیدا کردی ہے۔ لہذا اس پردہ کی اصلاح منحصر ہے ہندوستان کی معاشرت اور تمدن کی اصلاح پر۔ اور اس کی ابتداء یوں ہوسکتی ہے۔ کہ جو با اثر مرد صرف بحث کی خاطر نہیں۔ بلکہ فی الحقیقت پردہ کی موجودہ شدت کو ملک و قوم کے حق میں مُضر سمجھتے ہیں۔ وہ بجائے کوری بحث بازی کے میدان عمل میں قدم بڑھائیں۔ یعنی اپنے زیر اثر مستورات اور خواتین کو پردہ کی غیر ضروری قیود سے آزاد کرکے بے تکلف پھرنے پھرانے اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت دیں۔ اور مثالیں قایم کریں۔

میرے خیال میں ان مصلحین قوم کے کلام میں زیادہ اثر ہوگا۔ جو اس بحث پر قلم اُٹھانے سے پہلے اپنے اعتقاد اور یقین کا ثبوت عمل سے دے کر مضمون کی تمہید اس طرح کریں۔ کہ میں نے مثال قایم کرنے کی غرض سے آج ہی سے اپنے زیر اثر جملہ خواتین کو رسمی پابندیوں سے آزاد کردیا ہے۔ اور اب وہ بالکل اپنی حرکات و سکنات میں آزاد ہیں۔ جب ایسی بے شمار مثالیں سامنے ہوں گی۔ اور بے ادب اور گستاخ مردوں اور نوجوانوں کو اپنی نامعقول حرکات پر رواجی تنبیہیں ہوں گی تب رفتہ رفتہ پردہ کی غیر ضروری پابندیاں کم ہوں گی۔ جب تک ان مثالوں سے شہری مردانہ آبادی کی بیشتر نہ ہوگی۔ اور ان کو عورتوں کا احترام کرنا نہ سکھلایا جائے گا۔ تو خود بخود یہ رسم دور ہونے والی نہیں ہے۔ جب مصلحین مثالیں قایم کریں گے۔ اور مذبذب طبقے دیکھیں گے۔ کہ پردہ کی سختیاں دور کرنے سے کوئی ہرج نہیں ہوتا۔ بلکہ فائدہ ہوتا ہے۔ تو وہ بھی تقلید کریں گے۔ میرے خیال میں وہ وقت ہرگز کبھی نہ آئے گا۔ جب ایک شہر کے مرد عورت ایک جلسے میں شریک ہوں گے۔ اور عورتیں ایک ہی وقت میں اپنے اپنے برقعے اُتار کر پردہ کو خیرباد کہدیں گی۔ جس طرح لڑکیوں کی تعلیم مثالوں کے ذریعے سے زنانہ مدارس میں بتدریج بڑھ رہی ہے۔ اسی طرح پردہ کی غیر ضروری قیود رفتہ رفتہ دور ہوں گی۔ مردوں کو اپنے قول پر یقین۔ اور ہمت و عمل شرط ہے۔ چونکہ اس رواجی پردے

کے ذمہ دار مرد ہیں۔ لہذا مردوں کو عملی سرگرمی اور حقیقی جوش دکھلانے میں خاطر خواہ سبقت کر لی جا ہئے ؛

خاکسار خدیجۃ الکبرے از بریلی

در آمد و بر آمد

ہماری قوم کے لیڈروں کی پیہم جیخ پکار سے غالباً ہندوستان کا بچہ بچہ یہ تو سمجھ گیا ہوگا۔ کہ مسلمانو کی مفلسی کا سبب ان کا اسراف اور فضول خرچی ہے۔ اور شاید اسی خیال کا نتیجہ ہے۔ کہ جو حضرات کم علم اور اعلیٰ ملازمت کے خواہش مند ہیں۔ اور اپنی خواہش پوری نہ ہونے کے باعث بیکار ہیں۔ یا کسی دوسری وجہ سے روزگار کی زحمت سے سبکدوش ہیں۔ وہ بھی کفایت شعاری کا لکچر دینے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ یہاں تک کہ گھر میں اگر بیوی بچوں کے ہاتھ سے ایک پیسہ بھی برباد ہو جائے۔ تو اس کا ماتم دوستوں تک میں کرنے پھریں گے۔ مگر یہ نہیں دیکھنے۔ کہ خود برسوں تک بیکار بیٹھ کر انہوں نے کس قدر روپیہ برباد کر دیا ؛

جو حضرات صرف بر آمد کو روکتے ہیں۔ اور در آمد کی فکر نہیں کرتے۔ ان کے حال پر مجھے بے اختیار دو کنجوسوں کی نقل یاد آتی ہے۔ جنہوں نے ایک دوسرے سے ان کے خرچ کا حساب پوچھا۔ اور پہلے نے ایک پیسہ روزانہ اپنا خرچ بتلایا۔ تو دوسرے نے اسے فضول خرچ کہا۔ اس پر اس نے بڑے تعجب اور اشتیاق سے پوچھا۔ کہ دوست وہ کیا ترکیب ہے۔ کہ ایک پیسہ بھی خرچ نہ ہو۔ اور پیٹ بھر جائے ؛ اس پر کنجوس نمبر ۲ نے بڑے فخر کے ساتھ اس طرح اپنی حکمت عملی بیان فرمائی۔ کہ صبح سے اُٹھ کر متعدد دبنیوں کے ہاں جاتا ہوں۔ اور ان سے چار چار آنے کا آٹا خریدتا ہوں۔ مگر تھوڑی دیر بعد یہ کہہ کر واپس کر دیتا ہوں۔ کہ یہ اچھا نہیں ہے۔ اور ہر مرتبہ آٹے کی واپسی کے بعد رومال میں لگا ہوا آٹا کاغذ پر جھاڑ لیتا ہوں ؛ اس طرح شام تک دو تین روٹی کا آٹا اکٹھا ہو جاتا ہے۔ تب کوئیں پر جاکر رومال بچھا کر وہ آٹا گوندھتا ہوں۔ اور جنگل میں دو اینٹیں۔ ایک ٹھیکرا اور خشک پتے اور لکڑیاں جمع کر کے اینٹوں کا چولھا بنا کر آگ جلاتا ہوں۔ اور ٹھیکرے سے توے کا کام لے کر روٹی پکاتا ہوں ؛ پھر اس روٹی کو رومال میں لپیٹ کر شہر کی طرف جاتا ہوں۔ اور جس گھر سے گوشت بھننے کی خوشبو آتی ہے۔ اس کے دروازے پر بیٹھ کر مزے سے کھا لیتا ہوں۔ گوشت کی صرف خوشبو فورمہ روٹی کا مزہ دیتی ہے ؛

مجھے تو اگر وہ بزرگ ملتے۔ تو میں ان سے پوچھتی
کہ اے بندۂ خدا تو نے جتنی محنت ایک پیسہ بچانے
کے لئے کی۔ اتنی ہی اگر پیسہ پیدا کرنے کے لئے
کرتا۔ تو بجائے ایک کے کم از کم سولہ پیسے یعنی
پورا آنہ تو ضرور پیدا کر لیتا۔ شام کو مزے سے
دو آنے کا گوشت روٹی خرید کر کھاتا۔ اور باقی دو
آنے کا اضافہ اپنی اس دولت میں کر لیتا۔ جس
میں کا ایک پیسہ صرف کرنے کے لئے تو نے دن
بھر اس قدر محنت کی۔ مگر اس اوندھی عقل کا
کیا علاج؟

یہ ضرور ہے۔ کہ اسراف بھی بہت بڑی حد تک
مسلمانوں کی مفلسی کا باعث ہے۔ لیکن اس سے
بھی زیادہ ان کا نکما پن انہیں برباد کر رہا ہے یقینی
جدوجہد فضول خرچی کو روکنے کی کی جاتی ہے۔ اگر
اتنی ہی روپیہ پیدا کرنے کی بھی کی جائے۔ تو ایک
حد تک فضول خرچی بھی کی جا سکتی ہے۔ مگر غضب
تو یہ ہے۔ کہ آمدنی کے ذرائع تو مسدود ہوتے جاتے
ہیں۔ اور اخراجات میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے
پھر مفلسی ڈیرے نہ ڈالے تو اور کیا ہو؟ تجارت
جو مفلسی کی سرکوبی کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اس
سے تو مسلمان اس طرح بیگانہ ہوتے ہیں۔ کہ شاذ و
نادر اگر کوئی اس راستہ پر چلا۔ سوائے خسارہ کے
اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔ کم سرمایہ کی تجارت اور پیشوں کو
ذلیل سمجھ کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ لے دے کر ملازمت
سرکاری باقی ہے۔ تو اس کے لئے اول تو ضرورت
ہے بڑی بڑی ڈگریوں کی۔ جن کا حاصل کرنا بغیر
روپے کے محال نہیں۔ تو مشکل ضرور ہے۔ پھر ڈگری
یافتوں کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ جب ہر شخص اسی کا
خواہش مند ہوگا۔ تو سب کی جگہ کہاں تک ہوگی۔

یہی اسباب ہیں۔ کہ ہندوستان کے برابر بیکاروں
کی تعداد شاید کسی اور ملک میں نہ ہوگی۔ اس لئے
ہمارے لیڈروں کا فرض ہے۔ کہ جہاں اسراف کی
مذمت پر لکچر دینے میں انہوں نے اپنی عمریں صرف
کر دیں۔ اب تھوڑی سی توجہ بیکاری کی وبا کے انسداد
کے لئے بھی کریں۔ اور اپنی کوتاہ اندیش قوم کو سمجھائیں
کہ کنجوس نمبر ۲ کی طرح روپے کو خرچ نہ کرنے کی فکر
میں دیوانہ بننا فضول ہے۔ جب تک اس کو بڑھانے
کی فکر نہ کرو گے۔ کبھی پنپ نہیں سکتے۔ وہ شخص
کبھی مسرف نہیں کہلائے گا۔ جو اپنا خرچ اپنی آمدنی
کے اندر رکھے۔ یا دوسرے الفاظ میں اپنے خرچ
سے زیادہ روپیہ پیدا کر سکے۔ سوچنے کی بات ہے۔
کہ اخراجات کو کتنا ہی کم کیوں نہ کیا جائے۔ پھر
بھی ایک حد تک آ کر کم نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ضروریات
زندگی بغیر خرچ کے پوری نہیں ہو سکتی ہیں لیکن
آمدنی کے وسیلے اس قدر وسیع ہیں۔ کہ انسان کوشش
کرے۔ تو لاتعداد دولت کا مالک بن سکتا ہے۔
مگر اس کے لئے استقلال۔ ہمت۔ محنت اور کوشش
شرط ہے۔ اس لئے ہمیں اس کی طرف سے غافل

ہو کر اور ہاتھ پیر ڈال کر موجودہ دولت کو محفوظ رکھنے کے لئے کنجوس نمبر ۲ کا طریق اختیار کرنے کی بجائے یہ کوشش کرنی چاہئے۔ کہ اپنے اخراجات سے زیادہ روپیہ پیدا کر سکیں*

متمول قوموں کے حالات پر نظر ڈالئے۔ کیا انگریزوں اور پارسیوں کے اخراجات مسلمانوں سے کچھ کم ہیں؟ ہرگز نہیں! لیکن ان کے تمول کا راز صرف یہی ہے۔ کہ ان میں کا کوئی فرد کبھی بیکار نہیں رہتا۔ اور ہر شخص اپنے خرچ سے زیادہ آمدنی رکھتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ وہ خرچ بھی دل کھول کر کرتے ہیں۔ اور پس انداز بھی کرتے ہیں*

جو قوم اس اصول پر عمل درآمد کرے گی۔ کبھی اس کی حالت ہماری طرح خراب و خستہ نہیں ہو سکتی۔ برعکس اس کے جو صرف اخراجات کو کم کرنے کی فکر میں رہے گی۔ اور آمدنی کی طرف سے غفلت اختیار کرے گی۔ اس کا دولت مند معلوم ہونا تو معلوم! رفتہ رفتہ صحت بھی جواب دے جائے گی۔ اور تمام وہ بلائیں نازل ہو جائیں گی۔ جو تنگدستی کا لازمی نتیجہ ہیں*

میں صرف مردوں ہی کے لئے نہیں کہتی۔ بلکہ اگر حالات اس بات کے مقتضی ہیں۔ کہ عورتیں بھی ان کا ہاتھ بٹائیں۔ تو بسم اللہ شوق سے انہیں بھی شریک کیجئے۔ مگر خدا کے لئے کچھ تو کیجئے۔ کرنے ہی سے کچھ ہوگا۔ بغیر کئے تو کوئی کام نہ ہوا ہے نہ ہوگا*

خاکسار ظفر جہاں

ہندوستان کی عورتیں

کچھ عرصہ ہوا۔ لندن کے مشہور و معروف اخبار ٹائمز میں مسز امیر علی صاحبہ کا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ جس میں بتایا گیا تھا۔ کہ ہندوستان کی عورتیں بالکل معذور رہی نہیں۔ بلکہ سوسائٹی میں ان کی آواز بھی کافی توجہ کی مستحق سمجھی جاتی ہے*

اب اسی اخبار میں ایک اور مضمون چھپا ہے۔ جس کی لکھنے والی خاتون نے اپنے نام کی جگہ "ہندوستان کی ایک رانی" تحریر فرمایا ہے* رانی صاحبہ نے مسز امیر علی کے مضمون کی بڑی شدومد سے تردید کی ہے۔ اور نہایت جگر دوز مثالیں دے دے کر ثابت کیا ہے۔ کہ ہندوستان میں عورتوں کی آواز کو کچھ وقعت حاصل نہیں۔ اور پردے کے پیچھے سے کوئی آواز بیرونی دنیا میں نہیں پہنچ سکتی* ان دونوں مضامین کو پڑھ کر ایک ڈاکٹر صاحب نے جو کئی سال تک ہندوستان میں رہ چکے ہیں۔ ۲۸ مارچ کے اخبار ٹائمز میں مندرجہ

ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:-

اِس میں شک نہیں۔کہ ہر دو خواتین ہندوستان کے حالات سے بخوبی واقف ہیں۔اور اس لئے ان کے خیالات خاص توجہ کے مستحق ہیں۔لیکن اب مشکل یہ پیش آتی ہے۔کہ ان دونوں میں سے کس کا بیان درست تسلیم کیا جائے۔ایک طرف مسز امیر علی صاحبہ کہتی ہیں۔کہ ہندوستانی عورت کی آواز کو بہت کچھ وقعت حاصل ہے۔اور دوسری جانب رانی صاحبہ بڑے وثوق سے ایک ایک لفظ پر زور دے کر فرما رہی ہیں۔کہ ہندوستان میں عورت کی آواز کو کوئی وقعت حاصل نہیں۔

مَیں بیس سال کی غیر حاضری کے بعد دوبارہ ہندوستان پہنچا۔تو مجھے سب سے نمایاں یہی بات نظر آئی۔کہ اب ہندوستانی عورتوں کا درجہ پہلے کی نسبت بہت بلند ہو رہا ہے۔اس سے پہلے جب میں ہندوستان میں مقیم تھا۔تو اپنے پیشے ڈاکٹری کے باعث مجھے ہر طبقے کی ہندوستانی خواتین سے واسطہ پڑتا تھا۔ان میں رانیاں اور پردہ دار خواتین بھی شامل تھیں۔اور غریب طبقہ کی ایسی عورتیں بھی اکثر میرا علاج کرتی تھیں جنہیں رانی صاحبہ اور اعلیٰ طبقے کی خواتین "اچھوت" سمجھتی ہوں گی۔ایک ایسے شخص کے لئے جسے عورتوں کے ان دنوں میں معذور اور "بے آواز" ہونے کے باعث نہ صرف اعلیٰ اور ادنیٰ طبقے کی مستورات سے بلکہ تمام صنف نازک کے ساتھ از حد ہمدردی تھی۔یہ امر باعثِ مسرت ہے۔کہ اب اس طرف بھی لوگوں کی توجہ مبذول ہو رہی ہے۔اور ترقی کے بہت کچھ آثار ہویدا ہیں۔

آج کل تمام بڑے بڑے شہروں میں اعلیٰ طبقہ کی خواتین (جن میں اکثر اوقات ایسی مسلمان بیگمات بھی شامل ہوتی ہیں۔جنہوں نے برقع ترک کر دیا ہے۔) عام شاہراہوں پر اپنے خاوندوں اور بچوں کے ساتھ کھلے منہ پیدل یا گاڑی میں سیر کرتی نظر آتی ہیں۔یہ ایک ایسا نظارہ ہے۔جو چند سال پیشتر بمبئی کے پارسیوں کے سوا، ہر قوم میں شدید مخالفت اور نکتہ چینی کا نشانہ بن جاتا۔

اب سے بیس سال پیشتر اعلیٰ گھرانوں کی عورتیں زنانہ ہسپتال تک بھی ڈولی میں سوار ہو کر جایا کرتی تھیں۔لیکن اب ڈولی کا رواج قریب قریب معدوم ہو چکا ہے۔اور بعض نہایت ہی قدامت پسند گھرانوں کے سوا عام طور پر عورتوں کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کے لئے موٹر یا گاڑی میں کپڑا باندھ کر پردہ کر لینا کافی سمجھا جاتا ہے۔

اس سے بھی اہم تر بات یہ ہے۔کہ اب ہندوستانی عورتیں سیاسی اور معاشرتی تحریکوں میں بڑی سرگرمی سے حصہ لے رہی ہیں۔قریباً تمام صوبوں میں عورتوں کو صوبہ کی کونسل کے لئے رائے دہندگی کا حق مل چکا ہے۔اور حال ہی میں لیجسلیٹو اسمبلی میں

بھی انہیں یہ حق حاصل ہوگیا ہے + مدراس کونسل
میں ایک فاضل خاتون بڑی قابلیت سے اپنے
حلقے کی نمایندگی کر رہی ہے۔ اور اکثر معاملات
پر عورتیں میونسپل کمیٹی اور لوکل گورنمنٹ بورڈ کی
ممبر بھی ہیں + سوشل پردہ کلبوں اور بہبود اطفال
کی کمیٹیوں کے علاوہ گرل گائڈ تحریک میں بھی
وہ اپنی یورپی بہنوں سے دوستانہ اور مساوی
حیثیت میں میل جول پیدا کر رہی ہیں۔ اور
جو مسئلہ بھی درپیش ہو۔ اس میں نہایت قابلیت
اور سرگرمی کا اظہار کرتی ہیں ::

چند روز ادھر بمبئی میں "آل انڈیا لیڈیز کانفرنس
برائے اصلاح تعلیم" کی ایک شاخ کے اجلاس
میں شامل ہوا + ایک وسیع ہال سرگرم خواتین سے
کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جن خواتین کے نام پروگرام
میں درج تھے۔ ان میں سے بعض نے انگریزی میں
اور بعض نے اپنی مادری زبان میں نہایت گراں
پایہ مضامین پڑھے + اس سے بھی زیادہ حیرت
انگیز بات یہ تھی۔ کہ اکثر معاملات کے متعلق وہ خواتین
بھی جن کا نام پروگرام میں درج نہ تھا۔ پلیٹ فارم
پر آکر کسی قسم کی جھجک یا ہچکچاہٹ محسوس کئے بغیر
نہایت فصیح و بلیغ تقریروں میں اپنے خیالات کا
اظہار کرتی تھیں + اب سے بیس سال پہلے کسی کو
ان باتوں کا وہم و گمان بھی نہ تھا +

آج کل اسی کانفرنس کا مرکزی (آل انڈیا) اجلاس
دہلی میں ہو رہا ہے + اس میں ملک کے تمام حصوں سے
۵۰ ڈیلی گیٹ خواتین شامل ہوئی ہیں۔ اور ان کے
علاوہ لیڈی اردن اور بیگم صاحبہ بھوپال ایسی عالی
مرتبت خواتین بھی سرگرمی سے حصہ لے رہی ہیں + اس
کا مقصد تعلیم نسواں کے متعلق ایک ایسی اسکیم تیار کرنا
ہے۔ جس کے ذریعے عورتوں کو اندھا دھند مردانہ
درسگاہوں کا نصاب پڑھنے کی بجائے ایسی تعلیم
حاصل کرنے میں مدد ملے۔ جو انہیں ہندوستانی
ماؤں بہنوں اور بیویوں کی زندگی بسر کرنے میں مشعل
ہدایت کا کام دے + ڈیلی گیٹ خواتین اس امر پر
بھی زور دے رہی ہیں۔ کہ لڑکیوں کے لئے قابل
شادی عمر قانوناً سولہ سال قرار دی جائے + اس سے
ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ اس قسم کی معاشرتی اصلاحات
پر خاص توجہ دے رہی ہیں + اس کانفرنس کی
سکرٹری مسز جٹو بادھا ایک فصیح و بلیغ مقرر ہیں +
میں نے انہیں بڑے بڑے جلسوں میں تقریر کرتے
دیکھا ہے۔ جن میں مرد اور عورتیں یورپین اور ایشیائی
ہر قسم کے لوگ شامل ہوتے تھے۔ اور آپ کی تقریر
کے دوران میں ایسا معلوم ہوا کرتا تھا۔ گویا سب کے
سب مسحور بیٹھے ہیں +

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اُن "بے آواز"
مستورات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جن کی
نمایندگی کا حق رانی صاحبہ ادا کر رہی ہیں + ایک
طرف تو ہزار ہا خواتین ایسی ہیں۔ جو ابھی تک پردہ

کی پابندیوں سے آزاد نہیں ہوئیں۔ اور جن کے میدان ترقی میں آنے کی کوئی امید نہیں۔ کیونکہ ان میں ایسی خواتین کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ جنہیں تعلیم سے بہرہ یاب ہونے کی توقع ہو سکتی ہے۔ پھر دوسری جانب وہ بے شمار عورتیں اور لڑکیاں ہیں۔ جو دیہات میں رہتی ہیں۔ (یاد رہے۔ کہ ہندوستان کی حقیقی زندگی کا منظر دیہات ہی ہیں۔) ان میں بھی ابھی تک ہزاروں لاکھوں میں سے غالباً ایک آدھ ہی کو تھوڑی بہت تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا ہے۔ آج کل مس میو کی کتاب مدر انڈیا کے متعلق بہت کچھ لے دے ہو رہی ہے۔ اس میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ میں انہیں یک طرفہ سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اگرچہ اس میں بعض حقائق بیان کئے گئے ہیں لیکن طرز تحریر ایسا ہے۔ کہ پڑھنے والا گمراہ ہو کر مستثنیات کو عام اور روزمرہ کے واقعات سمجھنے لگتا ہے۔ لیکن جس انداز میں اس کتاب کی مصنفہ نے دیہات کی زنانہ درسگاہوں کے لئے معلمات کی کمیابی کا ذکر کیا ہے۔ اسے کوئی غلط قرار نہیں دے سکتا۔ اور ہر شخص تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ یہاں مصنفہ نے ایک ایسی مشکل کا ذکر کیا ہے۔ جو ہندوستانی مستورات کی ترقی کی راہ میں بے طرح حائل ہے۔ موجودہ معاشرتی حالات میں کسی ناکتخدا لڑکی کو کسی دیہاتی درسگاہ کی معلمہ مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ اور شادی شدہ مستورات کو اتنی فرصت نہیں ہوتی۔ کہ گھر کی چار دیواری سے باہر کسی کام کی طرف متوجہ ہو سکیں۔ دیہات میں زیادہ تر عیسائی مشنری کام کر رہے ہیں۔ جب کبھی مجھے ان میں سے کسی کے ساتھ بات چیت کا اتفاق ہوا۔ تو اس نے ہندوستانی عورتوں کے اتنے بڑے حصے کی ترقی کے اس ایک مشکل کے باعث مسدود رہنے پر نہایت افسوس اور بےبسی کا اظہار کیا۔ ایک اور دقت یہ ہے۔ کہ جہاں مشن اسکول کھل گئے ہیں۔ وہاں سے بھی لڑکیوں کو شادی ہو جانے کے باعث یا گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کے لئے اتنی چھوٹی عمر میں اٹھا لیا جاتا ہے۔ کہ ان کا پڑھنا اور نہ پڑھنا برابر ہی رہتا ہے۔

تاہم اب دیہات میں بھی بیداری کے تھوڑے بہت آثار نظر آنے لگے ہیں۔ مشہور و معروف شاعر سر رابندر ناتھ ٹیگور کے اسکول شانتی نکیتن میں تعلیم پانے والی آزاد اور آزادی پسند لڑکیوں اور عورتوں کا ذکر اکثر لوگوں نے سنا ہوگا۔ لیکن مجھے قریباً اسی قسم کی درسگاہ پنجاب کے ایک دور دراز قصبہ میں دیکھ کر بہت حیرت ہوئی۔ یہاں ایک روشن خیال ہندوستانی نے ایک آشرم بنا رکھا ہے۔ اس میں ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی ڈیری ہے۔ جسے گئوشالہ کا نعم البدل سمجھنا چاہئے۔ اور اس کے علاوہ ایک گرل اسکول اچھوت ذاتوں کے بچوں کے لئے کھول رکھا ہے۔ اس جگہ لڑکیاں

صم کیلی سیپ میں کلت

کو زراعتی کام اور دستکاری کے علاوہ ہندی اور سنسکرت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن ایک بات اس سے بھی اہم ہے۔ یعنی یہاں کی لڑکیاں نسوانیت کا وہ معیار پیش کرتی ہیں۔ جو ہندوستان کی دیہاتی مستورات کے عام معیار سے بہت بلند ہے۔ مزید براں صغرسنی کی شادی کا قلع قمع کرنے پر بھی بہت زور دیا جاتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے۔ کہ ہندوستان میں جہاں ایک طرف بے شمار ایسی عورتیں ہیں۔ جنہیں بقول رانی صاحبہ "بے آواز" کہا جا سکتا ہے۔ وہاں دوسری طرف وہ دن دور نظر نہیں آتا۔ جب کہ وہ تمام نقائص دور ہو جائیں گے۔ جن سے خود ہندوستانی عورتیں بھی متنفر ہو رہی ہیں۔ اور اس کا نتیجہ ایک ہندوستانی خاتون کے الفاظ میں یہ ہوگا۔ کہ ہندی مستورات اپنی پوشیدہ قابلیتوں سے نوع انسان کی خدمت کے لئے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے قابل ہو جائیں گی۔

اختر

مسز کیری چیپ مین کیٹ

آجکل امریکن عورتیں جنگ کے خلاف بڑی سرگرمی سے جہاد کر رہی ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے واشنگٹن میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا۔ جس میں نو انجمنوں کی بڑی بڑی نمایندہ خواتین شامل ہوئیں۔ ان تمام انجمنوں کے ارکان کی مجموعی تعداد ایک کروڑ کے قریب ہے۔ مذکورۂ بالا اجلاس کی صدر مسز کیری چیپ مین کیٹ قرار پائیں۔ جو امریکہ کی ایک مشہور و معروف خاتون ہیں۔

اجلاس میں قریباً ۹۰۰ ڈیلی گیٹ خواتین شامل ہوئیں۔ اور جنگ کے وجوہ اور علاج پر ہر پہلو سے غور کیا گیا۔ دو مرد ریاست دانوں نے اس خیال کی بڑی شد و مد سے مخالفت کی۔ کہ بحری اور بری فوج کی موجودگی سے لوگوں کے دل میں جنگ کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ مگر عورتوں نے یہ قرارداد پاس کر ہی دی۔ جس میں صوبجات متحدہ امریکہ کے اپنی فوج اور آلات حرب میں اضافہ کرنے پر افسوس اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا۔

اب مذکورہ بالا نو انجمنوں کی معرفت قومی پالیسی کے طور پر جنگ سے بیزاری کے لئے پروپاگنڈا کیا جائے گا۔ مزید براں صدر جمہوریہ سے درخواست کی گئی ہے۔ کہ آپ امریکہ کے لیگ اقوام میں شامل ہونے کے متعلق بات چیت کا سلسلہ پھر قایم کریں۔

آخری سبق

ایک افسانہ

جس زمانہ میں جرمنی نے الساس و لورین کے صوبے فرانس سے چھین لئے تھے۔ اس زمانے میں فرانس کے ادیبوں نے جو جذبات اپنے لٹریچر میں پھیلایا۔ اس میں اس سادہ اور مؤثر کہانی کو بھی ایک خاص مرتبہ حاصل ہے۔

اس روز صبح کو میں بہت دیر میں اسکول روانہ ہوا تھا۔ اور دل ہی دل میں سہم رہا تھا۔ کہ ماسٹر صاحب آج ضرور بگڑیں اور برسیں گے۔ زیادہ تر اس خیال سے کہ موسیو ہیمل نے کہہ رکھا تھا۔ کہ آج وہ ہم سے گردانیں سنیں گے۔ اور میری یہ کیفیت تھی۔ کہ اس کا ایک لفظ بھی یاد نہ تھا۔ ذرا دیر کو یہ خیال میرے دل میں آیا۔ کہ بھاگ چلوں۔ اور آج کا دن کہیں ادھر اُدھر پھر کر گزار دوں۔ سردیوں کا ہلکا ہلکا گرم اور روشن دن تھا۔ بن کے کنارے چڑیاں درختوں پر چہچہا رہی تھیں۔ جنگل کے پچھواڑے کھلے میدان میں جرمن سپاہی قواعد کر رہے تھے۔ یہ چیزیں گردانوں سے بہت زیادہ ترغیب انگیز تھیں۔ لیکن میں دل کا اتنا کمزور نہ تھا۔ کہ ان خواہشوں پر غالب نہ آسکتا۔ چنانچہ میں جلدی جلدی قدم اٹھا کر اسکول روانہ ہوگیا۔

میں ٹاؤن ہال کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ جس تختے پر اشتہار لگائے جاتے ہیں۔ اس کے سامنے لوگوں کی ایک بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ پچھلے دو سالوں سے جو بُری خبر بھی آئی تھی۔ وہ اشتہارات کے اسی تختے پر سے پہلے پہل پڑھی گئی تھی۔ فوجوں کی شکست کی خبریں۔ اعلانات فوجی افسروں کے احکامات وغیرہ۔ چنانچہ گزرتے گزرتے میں نے سوچا "اب کیا قصہ ہوگیا؟"

میں بڑی پھرتی سے قدم اٹھاتے چلا جا رہا تھا۔ کہ واختر لوہار نے جو اپنے ایک شاگرد سمیت وہاں موجود تھا۔ اشتہار پڑھنے کے بعد پکار کر مجھ سے کہا۔

"میاں صاحبزادے۔ اتنی جلدی میں کیوں ہو۔ اسکول پہنچنے کے لئے بہتیرا وقت ہے"

میں نے سوچا۔ یوں ہی میری ہنسی اُڑا رہا ہے۔ چنانچہ میں نے اس کی کچھ پروانہ کی۔ اور ہانپتا کانپتا موسیو ہیمل کے چھوٹے سے باغیچے میں جا پہنچا۔ عام طور پر جب اسکول میں پڑھائی شروع ہوتی تھی۔ تو ایسی گہماگہمی سی ہو جاتی تھی۔ جس کی آواز باہر سڑک پر سے سنائی دیتی تھی۔ کہیں ڈیسک کھلتے اور

سد ہوتے تھے۔ کہ سب مل کر بڑی اونچی آواز
میں سبق دہراتے اور ہاتھ کان پر رکھ لیا کرتے
تھے۔ کہ زیادہ اچھی طرح سنائی دے۔ ساتھ ساتھ
اُستاد کا بھاری رُول بار بار میز پر برستا رہا کرتا تھا
لیکن آج ہر طرف چپ چاپ تھی۔ میرا خیال
تھا۔ کہ شور و غل میں بغیر کسی کو نظر پڑے اپنے
ڈسک پر جا بیٹھوں گا۔ یہ کیا معلوم تھا۔ کہ مدرسے
میں آج اتوار کی سی خاموشی کا عالم نظر آتا ہے۔
کھڑکی میں سے جھانکا۔ تو دیکھا۔ کہ تمام ہم جماعت
اسی اپنی جگہ پر بیٹھ چکے ہیں۔ اور موسیو ہیمل اُستاد
کا ہیبت ناک رُول بغل میں دبائے جماعت میں
اِدھر اُدھر ٹہل رہے ہیں۔ اب اس کے سوا چارہ
نہ تھا۔ کہ دروازہ کھول کر سب کی نظروں کے سامنے
اندر داخل ہوں۔ آپ خود تصور فرما سکتے ہیں۔ کہ
شرم اور خوف کے مارے میری کیا حالت ہو رہی
ہو گی۔

پر کچھ بھی نہ ہوا۔ موسیو ہیمل نے مجھے دیکھا۔ اور
بڑی شفقت سے کہا۔ "فرنٹز میاں۔ جلدی سے
جاکر اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔ ہم تو تمہارے بغیر ہی سبق
شروع کر دینے والے تھے"۔

میں جلدی سے بیچ پھلانگ کر گزرا۔ اور اپنی جگہ
پر جا بیٹھا۔ جب ڈر ذرا کم ہوا۔ اور میرے حواس
درست ہو گئے۔ تو اس وقت میں نے دیکھا۔ کہ ماسٹر
صاحب نے اپنا خوشنما ہرا کوٹ۔ جھالردار قمیص
اور سیاہ ریشم کی ننھی سی کامدار ٹوپی پہن رکھی ہے۔
یہ وہ لباس تھا۔ جسے وہ صرف معائنہ یا تقسیم انعام
کے روز پہنا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ تمام مدرسہ
کچھ عجیب طرح انوکھا اور متین سا نظر آ رہا تھا لیکن
جس بات پر مجھے سب سے زیادہ اچنبھا ہوا۔ وہ
یہ تھی۔ کہ پچھلی نشستیں جو عام طور پر خالی رہا کرتی تھیں۔
آج ان پر ہماری طرح گاؤں کے دوسرے لوگ
بیٹھے ہوئے تھے۔ بوڑھا ہوسر اپنی تکون ٹوپی پہنے
بیٹھا تھا۔ اس کے علاوہ شہر کا پرانا میئر، پرانا پوسٹ
ماسٹر اور کئی اور لوگ بھی موجود تھے۔ ہر شخص اداس
نظر آتا تھا۔ بوڑھا ہوسر بازار سے ایک قاعدہ لے
آیا تھا۔ اسے کھول کر اپنے زانوؤں پر رکھ لیا تھا۔
اور اس کے صفحوں پر اس کی عینک رکھی ہوئی تھی۔
میں ان انوکھی باتوں پر حیران ہی ہو رہا تھا۔
کہ موسیو ہیمل اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ اور اسی متین
نفیس آواز سے جس میں مجھ سے بات کی تھی۔ بولے۔
"میرے بچو۔ آج میں تمہیں آخری سبق دوں گا۔
برلن سے احکام آ چکے ہیں۔ کہ الساس اور لورین
کے مدرسوں میں صرف جرمن زبان پڑھائی جائے۔
کل نیا ماسٹر آ جائے گا۔ یہ تمہارا فرانسیسی کا آخری
سبق ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ آج تم بہت متوجہ
رہو"۔

یہ لفظ گویا بجلی کی طرح میرے دل پر گرے۔
آہ کم بختو۔ اسی بات کا اعلان تم نے ٹاؤن ہال

کے باہر لگا رکھا تھا*

میرا فرانسیسی کا آخری سبق! مجھے تو ابھی لکھنا بھی نہ آیا تھا۔ اب میں کچھ بھی نہ سیکھ سکوں گا! جہاں ہوں وہیں رُک کر رہ جاؤں گا! مجھے کتنا قلق ہوا۔ کہ اپنا سبق یاد نہ کیا کرتا تھا۔ گھونسلوں سے چڑیوں کے انڈے چُرانے اور دوسرے کھیلوں میں وقت کھونے نکل جایا کرتا تھا۔ کتابیں جو ذرا دیر پہلے میرے لئے مصیبت بن رہی تھیں۔ اور اُٹھائے ۔اُٹھی تھیں۔ گرامر اور تاریخ کی کتابیں اب ایسی بُرائی دوست معلوم ہو رہی تھیں۔ جن سے رشتہ توڑنا کسی طرح ممکن نظر نہ آتا تھا۔ اسی طرح موسیو ہیمل کی بابت یہ خیال کہ وہ اب جا رہے ہیں۔ اور پھر کبھی نہ ملیں گے۔ ان کے رُول اور ان کی سخت مزاجی کی یاد کو دل سے مٹائے دے رہا تھا*

کم نصیب شخص! اس آخری سبق کے اعزاز میں آج تو نے اپنا بہترین جوڑا پہن رکھا ہے* اب میں نے سمجھ لیا۔ کہ شہر کے بوڑھے لوگ آج کیوں پچھلی نشستوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ آج انہیں بھی رہ رہ کر قلق ہو رہا ہے۔ کہ زیادہ دلوں اسکول کیوں نہ گئے؟ وہ اپنے طرلق پر اس شخص کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔ جس نے چالیس سال تک نہایت خلوص و دیانت سے ان کی خدمات سر انجام دی تھیں* وہ اپنی سمجھ کے مطابق اُس مادرِ وطن کی تعظیم کرنے کو جمع ہوئے تھے۔ جس کے وہ اب مالک نہ رہے تھے*

میں یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا۔ کہ اتنے میں میرا نام لیا گیا۔ اب سبق سنانے کی میری باری تھی کاش اس وقت کوئی مجھ سے میرا سب کچھ لے لیتا۔ اور تمام خوفناک گردانیں مجھے کسی ایسی طرح سکھا دیتا کہ میں بلند آواز سے واضح طور پر بغیر کسی غلطی کے انہیں دُہرا سکتا۔ لیکن چند لفظ ہی بول کر میں رہ گیا۔ دونو ہاتھوں سے ڈسک کو پکڑ رکھا تھا۔ دل دھڑک رہا تھا۔ نظریں اٹھانے کی جرأت نہ پڑتی تھی* موسیو ہیمل نے مجھ سے کہا:-

"فرینز میاں! میں تمہیں بُرا بھلا نہ کہوں گا۔ تمہارا جی بُرا ہوگا۔ پر دیکھو۔ ہر روز تم اپنے دل میں کہتے رہے۔ کہ ابھی بہت وقت پڑا ہے۔ میں کل اپنا سبق یاد کر لوں گا۔ اور آج اس کا کیا نتیجہ نکلا۔ آہ! الساس کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے۔ کہ وہ اپنی تعلیم کو کل پر ٹالتا رہتا ہے۔ اب دشمن کیا کہا کریں گے۔ کہ یہ لوگ اپنے آپ کو کہتے تو فرانسیسی ہیں لیکن انہیں نہ فرانسیسی بولنا آتا ہے۔ نہ لکھنا۔ لیکن ننھے بچے اس میں صرف تیرا ہی قصور نہیں ہم سب کے سب مجرم ہیں*

"تمہارے ماں باپ کو تمہیں تعلیم دینے کا کچھ زیادہ شوق نہ تھا۔ وہ اس بات کو ترجیح دیتے۔ کہ تم کسی کھیت یا چکی میں کام شروع کر دو۔ کہ گھر کی آمدنی میں تھوڑا بہت اضافہ ہو جائے۔ اور میں؟ میں بھی قصوروار

ہوں۔کئی مرتبہ بجائے اس کے کہ میں تمہیں سبق
پڑھاؤں۔میں نے تم سے یہ نہیں کہا۔کہ جاؤ۔جبر
باغیچے کے گملوں میں پانی دے آؤ؟ جب میں مچھلی
کے شکار کو جانا چاہتا تھا۔ تو اس روز اسکول میں چھٹی
نہ کر دیتا تھا۔

اس طرح ایک بات سے دوسری بات نکالتے
نکالتے موسیو ہیمل نے فرانسیسی زبان پر گفتگو شروع
کر دی۔اور کہا۔کہ یہ دنیا کی سب سے پیاری۔سب سے
واضح اور منطق کے مطابق زبان ہے۔اس وقت
اس بے بس زبان کی حفاظت اور اسے اپنے
بیچ زندہ رکھنا ہمارا فرض ہے۔جو غلام قومیں اپنی
زبان کو یاد رکھتی ہیں۔اپنے قید خانے کی چابی گویا
ان کے ہاتھ میں رہتی ہے۔اس کے بعد موسیو ہیمل نے
قواعد کی کتاب کھولی۔اور ہمیں سبق پڑھایا۔ میں
حیران تھا۔کہ آج سبق کیوں دل میں اُترا جا رہا ہے
وہ جو کچھ بھی کہتے۔بہت سہل اور آسان معلوم ہوتا
تھا۔میرا یہ بھی خیال ہے۔کہ نہ میں نے اپنا سبق
کبھی ایسی توجہ سے سُنا تھا۔اور نہ کبھی انہوں نے
ایسے صبر اور تحمل سے پڑھایا تھا۔ایسا معلوم ہوتا تھا۔
کہ رخصت ہو جانے سے پیشتر یہ دردمند شخص چاہتا
ہے۔کہ جو کچھ خود جانتا ہے ہمیں بھی سکھلا دے۔اور
کسی طرح سب باتیں ایک ہی بار ہمارے دلوں
میں اتار دے۔

قواعد کے بعد ہمیں خوش خطی کا سبق ملا۔اس روز
موسیو ہیمل ہمارے لئے نئی کاپیاں لائے تھے جن پر
الفاظ فرانس السا س فرانس السا س بڑے خوش خط
لکھے ہوئے تھے۔ہمارے ڈسک کے اوپر ننھی
ننھی چھڑیاں کھڑی کر کے کاپیاں ان پر ٹانگ دی
گئی تھیں۔اور ٹنگی ہوئی وہ ایسی معلوم ہوتی تھیں
گویا تمام کمرے میں ننھی ننھی جھنڈیاں لہرا رہی ہیں۔
اس روز آپ دیکھتے۔کہ ہر طالب علم کسی طرح اپنے
کام میں مصروف تھا۔اور جماعت میں کیسا سکوت
طاری تھا۔آواز تھی تو محض قلم کے کاغذ پر چلنے کی۔
ایک بار چند بھونرے کمرے میں گھس آئے۔پر کسی
نے ان کا خیال بھی نہ کیا۔ننھے بچوں نے بھی ان
کی طرف توجہ نہ کی۔وہ اپنی کاپیوں میں مچھلی پکڑنے
کے کانٹوں کی تصویر ایسے انہماک سے ٹریس کر رہے
تھے۔گویا یہ بھی فرانسیسی سیکھنے کا ایک حصہ تھا۔باہر
چھت کے کنگروں پر کبوتر بیٹھے ہلکے ہلکے غٹر غوں غٹر
غوں کر رہے تھے۔میں نے اپنے دل میں کہا۔
"یہ لوگ کبوتروں کو بھی جرمن میں غٹر غوں کرنا سکھا دیں
گے؟"

جب کبھی میں لکھائی کے کام پر سے سر اُٹھاتا۔تو
دیکھتا۔کہ موسیو ہیمل بے حس و حرکت کرسی پر بیٹھے
ہیں۔کبھی ایک چیز کو تکتے ہیں۔کبھی دوسری کو۔
گویا یہ بات اپنے دل میں جما لینا چاہتے ہیں۔کہ اس
ننھے سے کمرے میں ہر چیز کیسی نظر آ رہی ہے۔
سوچئے تو! چالیس سال تک یہ شخص یہیں رہا تھا۔

سامنے جماعت بیٹھی رہتی تھی۔ اور دو بچوں میں سے
اس کا کمرہ باغیچہ نظر آیا کرتا تھا۔ ڈسکیں اور بنچ اس
کی نظروں کے سامنے گھس گھس کر پرانے ہو گئے تھے۔
باغیچے میں طوط کے پیڑ اس کے دیکھتے دیکھتے بلند
ہوئے تھے۔ انگور کی بیلیں جو خود اس نے اپنے
ہاتھ سے لگائی تھیں۔ دریچوں کے گرد بل کھاتی
ہوئی چھت تک جا پہنچی تھیں۔ ہائے ان سب چیزوں
کو چھوڑ کر چلے جانے سے اس دکھیا کا دل کس قدر خون
خون ہو رہا ہوگا۔ اوپر کی منزل میں اس کی بہن کے
ادھر اُدھر پھرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ اسباب باندھنے
میں مشغول تھی۔ بس اگلے دن اس شخص کو اسکول
سے رخصت ہو جانا تھا۔

لیکن پھر بھی اس شخص میں اتنا حوصلہ تھا۔ کہ آخری
دم تک ہر سبق سنتا رہا۔ خوش خطی کے بعد ہمیں تاریخ
کا سبق ملا۔ اور اس کے بعد ننھے بچے ابجد دُہراتے
رہے۔ پچھلی نشستوں میں اب بوڑھے ہوسر نے
عینک لگا لی تھی۔ اور اپنا قاعدہ دونوں ہاتھوں
میں سنبھال کر بچوں کے ساتھ ہجوں کی مشق کر رہا
تھا۔ آپ موجود ہوتے تو دیکھتے۔ کہ وہ پڑھ رہا تھا۔ اور
رو رہا تھا۔ اس کی آواز شدت جذبات سے کانپ
رہی تھی۔ ایسی عجیب معلوم ہوتی تھی۔ کہ کبھی ہم چاہتے
ہنس پڑیں۔ اور کبھی چاہتے۔ کہ اس کے ساتھ مل کر رونے
لگیں۔ آہ! وہ آخری سبق مجھے کیسی اچھی طرح یاد ہے:

اتنے میں یکایک گھڑی نے بارہ بجائے۔ اس
کے ساتھ ہی جرمن سپاہیوں کے بگل کی آواز سنائی
دی۔ وہ قواعد سے فارغ ہو کر باہر گزر رہے تھے۔
موسیو ہیمل کرسی پر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت
ان کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔ مگر جیسے بلند
بلند بالا وہ اس وقت نظر آتے تھے۔ پہلے کبھی نظر
نہ آئے تھے۔

وہ بولے "میرے دوستو! میں۔۔ میں۔۔" کسی
چیز نے ان کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ وہ اور کچھ نہ بول
سکے۔ پھر وہ بلیک بورڈ کی طرف مڑ گئے۔ چاک
کا ایک ٹکڑا لیا۔ اور اپنی پوری قوت سے کام لے کر
جس قدر بڑے الفاظ میں لکھ سکتے تھے۔ انہوں نے
بلیک بورڈ پر لکھ دیا۔

"زندہ باد فرانس!"

پھر وہ رک گئے۔ اپنا سر دیوار سے ٹیک دیا۔
اور بغیر کوئی لفظ منہ سے نکالے صرف ہاتھ سے ایسا
اشارہ کیا۔ جس کے معنے تھے

"اسکول بند ہو گیا۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

سید امتیاز علی تاج

سعیدہ مرحومہ

سعیدہ مرحومہ جناب مولوی غلام حسن صاحب بالقابہ ہوم منسٹر ریاست بہاولپور کے بڑے صاحبزادے کی نوجوان دلھن تھیں۔ اور کچھ عرصہ ہوا عین عالم شباب میں اپنے غمزدہ عزیزوں کو داغ مفارقت دے گئیں۔ خداوند تعالیٰ نے مرحومہ کو ان تمام نعمتوں سے بہرہ اندوز فرما رکھا تھا۔ جو کسی شریف زادی کے لئے باعث تمنا ہو سکتی ہیں۔ تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ تہذیب نسواں کی خریدار اور بہت قدرداں بھی تھیں۔ ان کی حسرت ناک موت سے یوں تو سارے خاندان کو کمال صدمہ پہنچا ہے۔ مگر بیچاری ستم رسیدہ ماں پر جو کچھ گزر گئی ہے۔ خود ان کے مندرجہ ذیل اشعار اس کی گواہی دے رہے ہیں۔

دہر نے رنج و بلا کا جب بہم ساماں کیا۔ اس آدم کو بلا کر اپنے گھر مہماں کیا۔
میزباں بن کر کیا پھر حق مہمانی ادا۔ اپنے مہمانوں کو جس جس کر کئے کیسے عطا۔
چشم گریاں دی کسی کو۔ دل کسی کو دردمند۔ مسکنت بخشی کسی کو اور کسی کو قید و بند۔
رنج دنیا۔ فکر عقبیٰ۔ درد جاں۔ ہجر دیار۔ سیکڑوں تحفے تھے جو اس نے کئے اس پر نثار

آہ باری آ گئی جس وقت مجھ ناشاد کی۔
لاکے رکھ دی سامنے میت جواں اولاد کی۔

تو نے کیا تحفہ دیا میرے لئے اے میزباں جس کی قیمت پا نہیں سکتی بہائے کہکشاں۔
بار احساں سے ترے گردن مری خم ہو گئی بے نیاز منت عیسیٰ مریم ہو گئی
جل گئے آنکھوں میں آنسو بجھ گیا پہلو میں دل آہیں بن کر ہو گئے رخصت قوائے مضمحل۔

کس قدر ارزاں ہوا سودا مرے محبوب سے۔
قدر یوسف کی نہ کچھ پوچھی گئی یعقوب سے۔

اے سعیدہ۔ اے چراغ کشتۂ فانوس دل مل گیا دست اجل سے خاک میں ناموس دل
کر گئی برباد تیری موت اطمینان دل برق بن کر کھا گئی سرمایۂ بستان دل۔
کر دیا رخصت نے تیری دفع آرام چمن۔ کاٹنے کو دوڑتے ہیں اب در و بام وطن۔
یاد تیری اے سعیدہ جس گھڑی آ جاتی ہے بے کسی میں ہم کو پہروں اشک خوں رلواتی ہے
تارے گنتے ہی گزرتی ہیں شبان تیرہ فام نیند ہو جاتی ہے دکھیاری کی آنکھوں پر حرام۔

آہ- اے بیٹی- جگر جل کر ہوا میرا کباب- تیری فرقت نے یہیں دکھلا دیا روزِ عذاب؟

اے سعیدہ! میری طرح تو بھی کیا بیتاب ہے؟ یا غم فرقت سے بے پروا ہے محوِ خواب ہے؟

ماں کی آغوشِ محبت کے لئے روتی ہے تو؟ یا لحد کی خاک میں آرام سے سوتی ہے تو؟

تو ہے مجبور اجل اور میں ہوں مجبور حیات-

ٹوٹ جائے کاش یہ زنجیر دستور حیات٭

اے سعیدہ تو کہاں ہے کچھ پتہ اپنا بتا- چاند میں ہے یا ستاروں میں ہے کیا مسکن ترا؟

کوئی گر ڈھونڈھے تجھے پائے کہاں اے نورِ جاں؟ اللہ اللہ- کہتے پردوں میں ہوئی جاکر نہاں

آہ بادل- میں تجھے اے جان مادر تیرا گھر- اے مرے برگ سمن مژدہ نہیں- دل کے گھر

شہرِ خاموشاں میں مل سکتا نہیں مسکن تیرا-

والدہ کے سینۂ سوزاں میں ہے مدفن ترا٭

معاونینِ تہذیب

پچھلے مہینے جن تہذیبی بہنوں نے اپنے اخبار کے نئے خریدار پیدا کر کے اپنی ہمدردی کا عملی ثبوت دیا ہے- ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

محترمہ اہلیہ محمد علی صاحب- خورجہ ضلع بلند شہر

محترمہ مصری رحمٰن بیگم- کوکناڈا

محترمہ شمسہ خانم صاحبہ- بمبئی

مسز محمد ریاض الدین حسن صاحب- سرگودھا

مسز سید احتشام علی صاحب ریاست دتیا

بنت ڈاکٹر ابوالفضل صاحب وکیل- کیور تھلہ

مسز ایس- الف آل حسین صاحب رائے پور

مسز محمد امین صاحب- تھلہ

مسز ایم- اے صبور- فتح گڑھ

سید سجاد حسین صاحب- لاہور

ہم ان مخلص بہنوں کی توجہ کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں٭

منیجر

جب مَیں اُداس ہوتی ہوں

جب میں اُداس ہوتی ہوں - اور کھیتوں
میں دو گھڑی جی بہلانے کے لئے چلی جاتی ہوں۔
تو میں سوچتی ہوں - کہ اللہ یہ دنیا کے لوگ کیونکر
خوش اور شاد کام بسر کرتے ہوں گے - جب کہ مَیں
اس درجہ اُداس ہوں ؞

یہ روز کھیت پر جانے والے اپنے ہرے ہرے
کھیتوں کی کٹائی سے خوش ہو کر مسرت کا راگ
گانے لگتے ہیں - اور ہوا کس آزادانہ بے تکلفی سے
حنا کی بیانہ قد جھاڑیوں سے اٹکھیلیاں کر کے حنا کے
پھولوں کی خوشبو کو جنگل کی شفاف فضا میں پھیلا
دیتی ہے ؞

یہ چھوٹی چھوٹی چڑیاں سمندروں کے کنارے
ویرانوں میں بیٹھی ہوئی جوشِ مسرت سے ایک
دوسرے سے محبت کے افسانے کہتی اور نظمیں گایا
کرتی ہیں - مگر میں پوچھتی ہوں - کہ کسی دن مجھے ایسی
مسرت اور ایسی آزادی کیوں نصیب نہیں ہوتی؟

جب میں اپنے صبح سویرے کے سدگار میں
ہوتی ہوں - تو کسی کھیت کاٹنے والی دوشیزہ
کی سریلی تان مشرقی جنگلوں سے ہو کر مجھ تک
پہنچتی ہے - اور میرے دن کا ایک وزنی پتھر
بن کر رہ جاتی ہے ؞ میں بے تاب ہو کر کہتی ہوں۔
کہ اللہ میں اس طرح کیوں نہیں گاتی ؞

دوپہر کے دراز ہونے والے سائے میں مویشی
کس اندازِ امن سے ہری ہری گھاس چباتے ہیں۔
اور چرواہے اونچے اونچے پہاڑوں پر درختوں کے
گنجان سائے میں بیٹھے بانسری کیسی دلخراش
بجاتے ہیں ؞

میرا دل پوچھتا ہے - کہ میں بھی ان ہی کی مانند
مسرت کا ایک گیت - امن کا ایک خواب کیوں
نہیں دیکھتی؟ میں نیچر سے اس طرح کے سوالات
کرتی رہتی ہوں - مگر وہ ایک مجسمہ خاموشی ہے کہ
نہ تو وہ کچھ جواب دیتی ہے - نہ مسکراتی ہے - اور
مَیں یہ دیکھ کر اُداس ہو جاتی ہوں - آہ!

مس حجاب اسمٰعیل

دستکاری

کوٹ اور ٹوپی

لڑکیوں کی گڑیوں کے لئے

اشیاء:- بیٹرز بالڈون اینڈ واکرز ۳- پلائی اسکاچ فنگرنگ دو اونس - درمیانے سائز کا ہڈی کا ہک ٭

کوٹ:- ابتدا گلے کے مقام سے- ۴۳ چین سے

پہلی قطار- ۳ پح - پہلی ۶ پح میں سے ہر ایک میں ا ٹ - ساتویں پح میں ۳ ٹ - اس سے بازوؤں کی گنجائش پیدا ہوتی ہے - اگلی ۴ پح میں سے ہر ایک میں ا ٹ - بارھویں پح میں ۳ ٹ - اگلی ۱۰ پح میں سے ہر ایک میں ا ٹ تئیسویں پح میں ۳ ٹ - اگلی ۴ پح میں سے ہر ایک میں ا ٹ - اٹھائیسویں پح میں ۳ ٹ آخری ۶ پح میں ہر ایک میں ا ٹ ۔

دوسری قطار- ۳ پح - ہر ایک میں ٹ - اسی طرح پچھلی قطار کے ہر بڑھے ہوئے حصے کے درمیانی سٹ (بیچ) میں ۳ ٹ بنالئے جائیں ۔

تیسری - چوتھی اور پانچویں قطار - دوسری قطار کی طرح ۔

چھٹی قطار- ۳ پح - پہلے ۷ ا سٹ میں سے ہر ایک میں ا ٹ - ۱۴ ا ٹ چھوڑ دو (اس سے بازو کا راستہ بنتا ہے-) ۳ پح - اگلی ۱۲ سٹ میں سے ہر ایک میں ا ٹ - ۳ پح - ۱۴ ا ٹ - دوسرے بازو کے لئے چھوڑ دو - اور پھر قطار کے آخر تک ہر سٹ میں ا ٹ بناتی چلی جاؤ ۔

ساتویں قطار- ۳ پح ہر ایک میں ٹ جو دونو بازوؤں کے بیچ درمیانی سٹ میں ۲ ٹ بنانے سے بڑھتی جاتی ہے - ۱۱ قطاروں تک ہر سٹ میں ا ٹ بناتی جاؤ - یا جب تک کوٹ گڑیا کے لئے مناسب لمبا بن جائے ۔

کوٹ کا کنارا مندرجۂ ذیل طریق پر ختم کرو- ۴ پح - اڈک (پہلی پح میں ڈک - نچلی قطار کے دوسرے سٹ میں اڈک - کنارے کنارے ہر سٹ میں دُہرایا جائے)

آستین کو اوپر سے بازو کے لوپوں میں ۲۲ ٹ بناکر شروع کرو - ۷ چکر بناؤ - ہر سٹ میں ا ٹ ڈالتی جاؤ - ساتویں چکر میں ایک سٹ چھوڑ کر اٹ بناؤ - اس کے باعث آستین کلائی پر سے تنگ ہو جاتی ہے - سزربن گزارنے کے لئے چھید سے بن جاتے ہیں - جس طرح کوٹ کے دامن کا کنارا بنایا تھا - اسی طرح آستین کا کنارا بھی بنایا جائے ۔

ہر جیب کے لئے ۶ پح بناؤ - اور ٹ کی تین

قطاریں بناؤ۔ کنارا اسی پہلی ترکیب سے بنایا جائے پیٹھ پر جو آدھی پیٹی بنی ہے۔ اس کے لئے ۵ یرح پر مٹ کی ۸ قطاریں بناؤ + جیبیں کوٹ کے سامنے کی طرف سی دو۔ اور پیٹی پیٹھ پر دو بٹن ٹانک کر ان سے لگا دو + کوئی کم چوڑا فیتہ لے کر اسے گلے اور کلائیوں کے کنارے میں سے گزار دو۔ بس کوٹ تیار ہو گیا +

ٹوپی۔ ۱۰۰ ہ پج بناؤ۔ (یا اتنی جو گڑیا کے سر کے دَور کے برابر ہو۔) ایک دائرے کی صورت میں جوڑ لو اور سادے ٹ میں ۸ چکر بناؤ + پھر ۲ چکر ڈک میں بناؤ۔ اور پھر ۲ بر اسٹ چھوڑ کر گھٹاتی جاؤ + ٹوپی کی اُلٹی طرف باہر کرا اور اوپر کا حصہ ختم کر کے اون الگ کر لو۔ ٹوپی کے اوپر اُون کا پھندنا لگا دو۔ اور نیچے کوٹ کی طرح کا کنارا بنا لو + ٹ کی دو قطاریں اُلٹ دو۔ اور ٹوپی کا اوپر کا سرا بائیں طرف جھکا کر اُلٹے ہوئے حصے سے جوڑ دو +

۔ کوٹ اور ٹوپی ۱۲ء کی گڑیا کے سر پر پوری آئے گی +

الہیہ شہاب الدین منکرول

کروشیا کا ہنس راج

صبیحہ نسرین

دسترخوان پر

نارنگی یا سنترے کا مربا

تہذیب نسواں مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۲۷ء میں بہالی جان ممتاز احمد صاحب فاروقی سے نارنگی یا سنترے کا مربا بنانے کی ترکیب دریافت کی گئی ہے۔ چونکہ بھائی جان نے یہ کام کبھی نہیں کیا۔ اس لئے ان کی بجائے میں اس کی ترکیب لکھتی ہوں ؛

نارنگی کے چھلکے پاؤ بھر۔ مصری آدھ سیر۔ نارنگی کے چھلکوں کو پہلے اچھی طرح صاف کرلیں۔ یعنی اندر کی طرف کے سفید سفید پھونسڑے نوچ کر بالکل اتار دیں۔ اور پھر لمبائی کے رُخ باریک باریک ٹکڑے کاٹ لیں۔ اب پانی ڈالکر پکنے کے لئے چولھے پر رکھ دیں۔ جب پکنے لگیں۔ تو کھانے کا چونا بقدر ایک چمچہ جائے۔ اس میں اچھی طرح ملادیں۔ تھوڑی دیر بعد پانی پھینک دیں۔ پھر پانی ڈالکر پکنے کے لئے رکھدیں جب پکنے لگے تو پانی پھینک دیں۔ اسی طرح تین مرتبہ اور کریں مگر چونا صرف پہلی ہی مرتبہ ڈالیں۔ پانچویں مرتبہ نارنگی کے چھلکے اچھی طرح ہاتھ سے دباکر پانی نچوڑ دیں۔ اور طشت میں پھیلاکر سوکھنے کے لئے دھوپ میں رکھ دیں۔ جب ذرا خشک ہو جائیں۔ تو ایک تار کا قوام بناکر اس میں ڈال دیں۔ اور دھیمی آنچ پر پکنے دیں۔ تھوڑی دیر بعد اتار کر مرتبان میں ڈال دیں۔ ٹھنڈا کرکے مرتبان میں ڈالیں۔ گرم نہ ڈالیں ؛

کیک پر مصری چڑھانا

تہذیب نسواں مورخہ ۱۷۔ اپریل میں ایک بہن س۔ ح نے کیک پر مصری چڑھانے کی ترکیب پوچھی ہے۔ ترکیب مندرجہ ذیل ہے :۔

آدھی پیالی کریم۔ آدھی پیالی مکھن۔ دو پیالی شکر (Brown Sugar) تینوں کو ملاکر ۵ منٹ تک آبالو۔ پھر چولھے پر سے اتار کر پھینٹو۔ یہاں تک کہ جھاگ دار ہو جائے۔ اب ایک چمچہ کوئی خوشبو ملاکر فوراً کیک پر ڈال دو ؛

دوسری ترکیب

بوتے دو پیالی مصری۔ دو انڈوں کی سفیدی تو منجھولے تچھے پانی ؛

مصری کو پانی میں گھول کر اتنا جوش دیا جائے کہ تار دینے لگے۔ پھر چولھے پر سے اتار کر انڈوں کی سفیدی اس پر ڈال دی جائے۔ اور پانچ منٹ تک برابر پھینٹا جائے۔ پھر خوشبو ملاکر کیک پر ڈال دیجئے۔۔

خاکسار بنت ڈاکٹر بشارت احمد اسسٹنٹ سرجن جہلم

محفل تہذیب

میری عنایت فرما تہذیبی بہنو! بعد سلام دنیاد کے عرض ہے۔ کہ تقریباً دو مہینے سے میں اس قدر مصروف ہوں۔ کہ جو بہنیں مجھ سے خط وکتابت رکھتی ہیں۔ان کے خطوط کا جواب دینے سے قاصر رہی میری بعض کرم فرما بہنوں نے بذریعہ تار خیریت دریافت کرائی حن کی میں ممنون ہوں۔ اس عدم الفرصتی کی وجہ خالدہ سلمہا کی شادی کی تیاری میں مصروفیت ہے۔ اب کہ تاریخ مقرر ہوگئی ہے۔ تو میں اپنی ان مہربان بہنوں سے التجا کرتی ہوں۔ کہ وہ میری اس خوشی میں آکر شریک ہوں۔ اگرچہ موسم گرما میں سفر کی تکلیف برداشت کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔لیکن جن بہنوں کو میرے رنجیدہ دل کی امیدوں کا سہارا اس لڑکی کی اطلاع ہے۔ کہ وہ میرے واسطے کیا چیز ہے۔ وہ تو ضرور ہی تشریف لائیں گی۔ میں اپنے نام مہربان بھائیوں سے جو اس اخبار کو پڑھتے ہیں۔ اور اپنی بہنوں سے جو اس کی خریدار ہیں۔ استدعا کرتی ہوں۔ کہ وہ میری خالدہ کے واسطے دعا فرمائیں۔ کہ اس کی عمر بڑی ہو۔ اور نیک نصیب ہو۔ خدا تعالیٰ اس کی عمر خوشیوں میں بسر کرائے۔ اس کی طرف سے میرے دل کو مسرت اور اطمینان قلب عطا کرے۔ آج کل مردوں کی طرف سے عورتوں کو جو تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ اللہ کرے خالدہ اس سے محفوظ رہے۔ رقعے چھپ جانے کے بعد سب کی خدمت میں ارسال کئے جائیں گے۔ ۱۴ ذی قعدہ تاریخ نکاح ہے۔ اللہ راس لائے۔ آمین۔

خاکسار حامدہ الخیری۔ اسعد منزل کھاری باؤلی دہلی

سرکہ اور دماغ کے لئے یہ دوا مفید ہے۔

۱۔ معجون ازراقی ایک مثقال سے دو مثقال تک صبح وشام کھایا کریں۔

۲۔ برنج مادیاں ۱۰ تولہ۔ برنج کشنیز پانچ تولہ مغز بادام مقشرہ ۱۰ تولہ۔ مصری ۳۰ تولہ۔ سب کو ملا کر رکھ لیں۔ اور ۴ تولہ صبح ہمراہ دودھ تازہ استعمال کریں فائدہ ہوگا۔

منجن جو دانتوں کو ہلنے سے بچاتا ہے۔ مندرجہ ذیل پتے سے طلب کریں۔ شاید دو چار آنے میں ملتا ہے۔

پتہ :۔ ایم۔ الیس۔ اے ابراہیم مین لائن جونا گڑھ کاٹھیاواڑ

داد کے لئے یہ دوا مفید ہے۔

کھانے کا نمک اور لیموں کا رس دونوں ملا کر تین دن تک لگایا جائے۔ جلن ہوگی۔ مگر فائدہ جلد ہوگا۔ نمک ایک حصہ اور پانی تین حصے لگانے سے دا

جلدی اچھا ہو جائے گا۔

کیا کوئی تہذیبی بھائی یا بہن تلا سکتے ہیں۔ کہ کہ اس وقت مہاراجہ کشمیر کے وزیر کون ہیں۔ اور ان سے پہلے کون تھے؟ نیز مجھے ان کا پتہ مطلوب ہے۔ نور محمد میمن۔ از بمبئی

۱۴۔ اپریل ۱۹۲۸ء کے تہذیب میں بہن س۔ج صاحبہ منٹگمری نے بالوں کے بڑھانے کا نسخہ دریافت کیا ہے۔ بہن صاحبہ سنبل ہندی پنساری سے خرید کر اچھی طرح کوٹ لیں۔ اور خالص ناریل کے تیل میں ڈال کر کوئی پندرہ دن دھوپ دیا کریں۔ لہذا ازاں اشیا مذکور تیل سے نکال کر استعمال میں لائیں۔ اس کے ساتھ کوئی دوسری دوا یا تیل نہ لگائیں۔ یہ نسخہ میرا آزمودہ ہے۔ انشاء اللہ فائدہ مند ثابت ہو گا۔ راقمہ رضیہ بیگم مس عبداللہ شریف۔ بیوور ٹیلیجر۔ سنبل ہندی کی تشریح چاہئے تھی۔ کہ اس سے مراد بالچھڑ ہے یا کیا؟

مجھے ناریل کے چاکلیٹ بنانے کی ترکیب مطلوب ہے۔ نیز اسٹر بیر جس میں یا کلیٹ لپیٹا جاتا ہے وہ کہاں اور کس قیمت پر ملتا ہے؟ ح۔م۔ص۔ کراچی

---

۴ فروری کے اخبار تہذیب نسواں میں کروشیا کا نیبل کلاتھ درج ہوا تھا۔ دریائی لیس تو آسان ہے لیکن کنارے کی لیس بنانا مشکل ہے۔ کونا موڑنا بھی بہت اہم کام ہے۔ کوئی تہذیبی بہن لیس کا کونا موڑنے کی ترکیب اور کروشیا کے کشن کی اطراف کی لیس بنانے کی ترکیب از راہ عنایت بذریعہ تہذیب بتائیں ممنون ہوں گی۔

۲۔ میری بڑی بہن کا لڑکا خسرو خدا کے فضل سے چار سال کی عمر کا ہے۔ لیکن کھانا بالکل نہیں کھاتا میوے سے بھی بہت ڈرتا ہے۔ اس کو نگلنا بھی نہیں آتا۔ بہت سے ڈاکٹروں کا علاج کیا۔ لیکن بے سود۔ کوئی تہذیبی بہن بتائیں۔ کہ کیا کرنا چاہئے؟

ایک تہذیبی بہن

کوئی تہذیبی بہن یا بھائی جلد از جلد بذریعہ تہذیب پتہ ذیل سے مطلع کریں۔ کہ "احمد آباد سیٹھ" کے کالے ڈورے والے کپڑے جو نہایت خوب صورت ہوتے ہیں۔ احمد آباد میں کونسی دکان سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ سکندر جہاں ہمشیرہ مرزا اختر حسین بی اے (علیگ) الہ آباد

میرے چہرے پر باریک باریک تل نکل آئے ہیں۔ براہ مہربانی کوئی بہن یا بھائی بذریعہ تہذیب کسی ایسے مجرب و آزمودہ نسخے سے مطلع فرمائیں۔ جس سے تل دور ہو جائیں۔ عمر بھر ممنون رہوں گی۔

ایک تہذیبی بہن

انعامی معمّا

دوسرے صفحے پر جو نو تصاویر درج ہیں۔ ان میں سے ہر ایک سے کسی نہ کسی طرح معمولی سی کھینچا تانی سے کسی مشہور کتاب کا نام نکلتا ہے۔ ذیل میں کتابوں کے ناموں کی ایک فہرست درج ہے۔ جن میں ان نو کتابوں کے نام بھی درج ہیں۔ جن کا تصاویر سے تعلق ہے۔ تصاویر کو غور سے دیکھ کر اور فہرست سے امداد لے کر معلوم کیجئے۔ کہ ان تصاویر سے کن کن کتابوں کا نام نکلتا ہے۔

ہدایات:-

۱۔ کتابوں کے ناموں کی فہرست نمبروار لکھ کر بھیجی جائے۔

۲۔ جو بہنیں حل بھیجیں۔ وہ اپنے خط کے لفافے پر واضح طور سے لکھ دیں۔ "اڈیٹر معمّا"۔

۳۔ جن لفافوں میں حل بھیجے جائیں۔ ان میں دفتر کے متعلق کوئی اَور تفصیل طلب بات نہیں ہونی چاہئے۔

۴۔ حل کے ساتھ ار کے ٹکٹ آنے چاہئیں۔

صحیح حل بھیجنے والی بہنوں میں سے کسی ایک کو بذریعہ قرعہ اندازی پانچ روپے کا انعام دیا جائیگا۔

شب زندگی	بانگ درا	چندن ہار	فضائے آسمانی
بنت الوقت	سراب مغرب	ستونتی	شکوہ
صبح زندگی	سیلاب اشک	رفیق عروس	انقلاب عظیم
جوہر قدامت	روداد قفس	خواب راحت	حرمان نصیب
سنجوگ	شام زندگی	سگھڑ بیٹی	عصائے پیری
گوہر مقصود	شریف بیٹی	اقبال دلہن	رنج و راحت
آداب ملاقات	گردشیا	رو شنک بیگم	یوسف زلیخا
آج کل	خانہ داری	مراۃ العروس	لیلےٰ مجنوں
اسیر قفس	سمرنا کا چاند	بنات النعش	گلزار نسیم
اختر النساء	زہرہ بیگم	بچوں کی کہانیاں	صد پارہ دل
گلدستۂ عید	طلسم ہوشربا	بچہ کا کرتا	قطرات اشک
منازل السائرہ	موجِ زندگی	آہ مظلوماں	ذرۂ عظیم
نالۂ یتیم	گلزار مدینہ	سوکن کا جلاپا	شیخ حسن

مرسلہ بشیر احمد مبین علی گڑھ
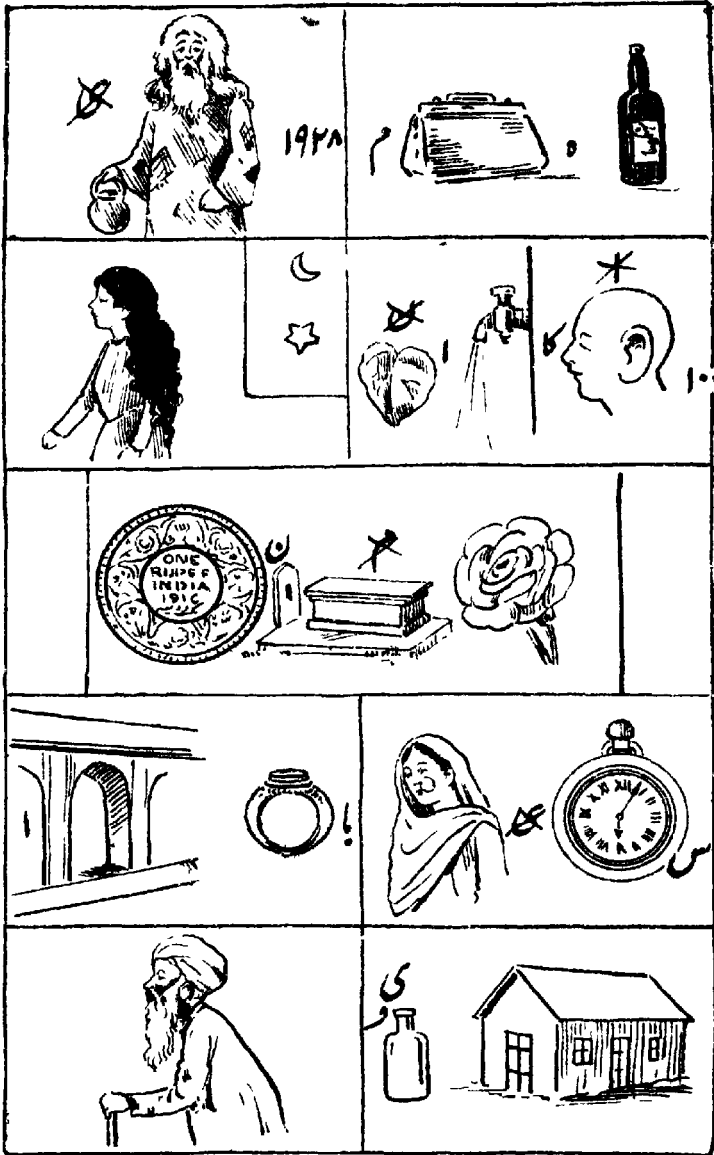
ولائتی معلومات

خاص تہذیب کے لئے

ایک بہادر خاتون

امریکہ کے تھرسنسانٹی کی رہنے والی مسز میری بی گرین ۳۳ سال سے ایک دخانی کشتی میں بحیثیت کپتان کام کر رہی ہیں۔ ان کی حوصلہ مندی کے بہت واقعات گرد و نواح کے علاقہ میں زبان زد خاص و عام ہیں۔ مگر ایک واقعہ خاص طور پر مشہور ہے۔ چند سال ہوئے ایک بڑی کشتی جس میں ایک تھیٹریکل کمپنی اپنے ساز و سامان سمیت کہیں جا رہی تھی۔ مسز گرین کی دخانی کشتی سے ٹکرا گئی۔ بدقسمتی سے اس وقت بڑے زور کا طوفان آرہا تھا۔ لیکن مسز گرین ذرا نہ گھبرائیں۔ فوراً اپنی کشتی کے اگلے حصے پر جا پہنچیں اس وقت دونوں کشتیوں کے ملاح بے حد گھبرائے ہوئے تھے۔ اور عین ممکن تھا۔ کہ اس پریشانی اور بدحواسی کے عالم میں دونوں کشتیاں نذر دریا ہو جاتیں۔ لیکن مسز گرین نے ذرا بھی گھبراہٹ یا پریشانی کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر کشتیوں کو بچانے کی فکر کرنے لگیں۔ آپ کی اس ہمت اور سکون نے معجزہ کا اثر دکھایا۔ ملاحوں کے اوسان بجا ہو گئے۔ اور سب کے سب بڑی ہمت اور جانفشانی سے کام کرنے لگے۔ چونکہ تھیٹریکل کمپنی کی کشتی بہت ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔ اس لئے مسز گرین نے حکم دیا۔ کہ ان کا تمام سامان ہماری کشتی پر لے آؤ۔ چنانچہ اس قدر خطرناک حادثے کے باوجود دونوں کشتیوں میں سے ایک جان کا بھی نقصان نہیں ہوا۔

امریکہ میں مسز گرین ہی ایک ایسی خاتون ہیں جنہیں صوبجات متحدہ امریکہ کی طرف سے دریائے اوہایو اور مس سسی پی میں بحیثیت کپتان کشتی چلانے کا لائسنس حاصل ہے۔ ان کے والدین میریاٹا نامی گاؤں میں رہتے تھے۔ جو دریا کے کنارے پر واقع ہے۔ کپتان گارڈن گرین جن سے آپ کی شادی ہوئی۔ پہلے ایک کشتی پر کلرک تھے۔ یہ کشتی ہر روز اس گاؤں میں آیا کرتی تھی۔ گارڈن گرین ان کے گھر آنے جانے لگے۔ ایک دن انہیں اس امر کے متعلق مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ کہ بحری زندگی بھی گاؤں کی زندگی سے کچھ کم دلچسپ نہیں ہوتی۔ چنانچہ مسز گرین بھی نوجوان کلرک کی ہم خیال بن گئیں۔ اور کچھ عرصہ بعد ان دونوں کی شادی ہو گئی۔ اب مسز گرین اسی کشتی میں رہنے سہنے لگیں۔ جہاں ان کا خاوند ملازم تھا۔ شادی شدہ

زندگی کے متعلق ان کا فلسفہ یہ ہے۔ کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیئے۔ چنانچہ آپ بھی جہاز رانی کا کام سیکھنے لگیں۔ تاکہ ضرورت پڑنے پر خاوند کا ہاتھ بٹا سکیں۔

ایک دوست سے آپ نے دوران ملاقات میں فرمایا "مجھے ہر وقت یہی خیال رہتا ہے۔ کہ ممکن ہے میرے خاوند کو صحت کی خرابی کے باعث کشتی پر کا کام چھوڑنا پڑے۔ اور میں چاہتی تھی۔ کہ ایسی حالت میں اس کا کام میں سنبھال سکوں۔ چنانچہ میں مقابلے کے امتحان میں شامل ہو گئی۔ اور نہایت آسانی سے کامیاب ہو گئی۔ میں اکثر اپنے خاوند کے پاس جا کر اسے کام کرتے دیکھا کرتی تھی۔ اس لئے جلد ہی اس فن کے متعلق ضروری باتوں سے واقف ہو گئی۔ میں اندھیری راتوں اور چلچلاتی دھوپ میں متواتر کئی کئی گھنٹے تک کشتی چلاتی رہی ہوں۔ جو مرد اور عورتیں شادی کریں۔ انہیں ایک دوسرے کے کام میں کم از کم اس قدر دلچسپی ضرور ہونی چاہیئے۔ کہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کا ہاتھ بٹا سکیں"۔

مسز گرین کو ضروریات زندگی کے لئے اس قدر کام کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔ کیونکہ کپتان گارڈن گرین نہایت ہی کامیاب ملاحوں میں سے تھے۔ انہیں "نئے زمانے کی عورت" کہلانا پسند نہیں۔ اکثر کہا کرتی ہیں "مجھے رائے دہندگی کے حق سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں تو پرانے فیشن کی عورت ہوں تو اور اگر میں جہاز رانی کے کام سے بخوبی واقف ہوں۔ اس میں اچنبھے کی کونسی بات ہے؟ آخر بحری اور بری زندگی میں کیا فرق ہے۔ خشکی پر خطرات کا اسی قدر اندیشہ ہے۔ جتنا سمندر میں"۔

اکثر بوڑھے ملاح اس واقعہ کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ جب ورلڈ فیبر کے تہوار پر مسز گرین اپنی خواہش کے مطابق تیار شدہ کشتی "گرین لینڈ" میں بہت سے مسافروں کو سوار کر کے پٹس برگ سے سینٹ لوئی تک جا پہنچی تھیں۔ اس طرح آپ نے ریل والوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور لوگوں کے دل میں دریائی سفر کا شوق نئے سرے سے پیدا کر دیا۔ آپ کی اس جرأت سے ملک بھر میں ایک ہیجان بپا ہو گیا۔ اور گرین لینڈ کی کشتیوں کا بیڑا بنار ہو کر چند ہی روز میں مشہور ہو گیا۔

حقوق نسواں اور تشدد

دنیا بھر میں فرانس اور خصوصاً پیرس کی عورتوں کو نازک طبع اور فیشن کی دلدادہ سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اکثر دور دراز ملکوں میں تو لوگوں کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہے۔ کہ پیرس کی عورتیں کھانے پہننے اور نئے نئے فیشن ایجاد کرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں کر سکتیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ اپنے حقوق طلب کرنے میں

تمام ملکوں کی عورتوں سے پیچھے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ نہ صرف فرانس کے دوسرے شہروں میں بلکہ خاص پیرس میں بھی بڑے بڑے کام عورتوں کے ہاتھوں انجام پا رہے ہیں۔ اور اگر اب تک اس امر کے متعلق کسی کو شک تھا۔ تو تحریک فرانس کی مشہور رہنما مادام مارسیلی کریمر بیچ کے تازہ ترین اعلان سے دور ہو جائیگا جس سے ظاہر ہے۔ کہ اب فرانس کی عورتیں اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے تمام ممکن ذرائع سے کام لینے پر آمادہ ہو رہی ہیں ؛

مادام مارسیلی کریمر بیچ کے اس اعلان سے صاف ظاہر ہے۔ کہ مادام موصوفہ اور ان کی وفادار ہمخیال خواتین مردوں کی ٹال مٹول سے تنگ آگئی ہیں۔ اور اب انہوں نے اپنے غصب شدہ حقوق حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ حتیٰ کہ اگر مرد اپنی ہٹ سے باز نہ آئے۔ اور انہیں تشدد سے کام لینے کی ضرورت پڑی۔ تو اس سے بھی دریغ نہ کریں گی ؛

مادام کریمر بیچ ایک مشہور و معروف بیرسٹر ہیں۔ وہ کہتی ہیں۔ کہ صرف پیرس میں ۷۷ خواتین بیرسٹر موجود ہیں۔ اور ہر قسم کے کاروبار اور فنون میں بے شمار فرانسیسی عورتوں نے مردوں سے بھی زیادہ مہارت حاصل کر لی ہے۔ حتیٰ کہ بازاروں میں ان موٹروں سے بہت کم حادثات واقع ہوتے ہیں۔ جن کی ڈرائیور عورتیں ہیں ؛

آپ کا خیال ہے۔ کہ اگرچہ اب تک فرانس میں حقوق نسواں کی تحریک کو کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن آئندہ جلد ہی نہایت خوشگوار نتائج برآمد ہونے کی توقع ہے ؛ وہ کہتی ہیں۔ کہ موسیو پائنکارے نے صاف الفاظ میں بتا دیا ہے۔ کہ حقوق نسواں کی تحریک سے انہیں بہت ہمدردی ہے۔ اور اس معاملے میں وہ عورتوں کی مدد کے لئے ہر طرح آمادہ ہیں ؛ سب جانتے ہیں۔ کہ موسیو پائنکارے کو ملک میں کس قدر رسوخ حاصل ہے ؛

ایک اخبار کے نمایندے نے مادام موصوفہ سے کہا۔ "لیکن آپ جانتی ہیں۔ کہ فرانس میں عورتوں کی تعداد مردوں سے بہت زیادہ ہے۔ اس لئے اگر عورتوں کو رائے دہندگی کا حق مل جائے تو اس کے یہ معنے ہوں گے۔ کہ آئندہ فرانس کی حکومت مردوں کی بجائے عورتوں کے ہاتھ میں آجائے"؛

یہ سن کر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: "شاید معاملے کو اس حد تک لے جانا مناسب نہ ہوگا۔ لیکن مردوں کو ہراساں نہ ہونا چاہئے۔ وہ بڑی آسانی سے عورتوں کی طاقت محدود کر سکتے ہیں جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ فی الحال صرف ان عورتوں کو رائے دہندگی کا حق دیا جائے۔ جن کی عمر ۲۵

سال سے زیادہ ہو۔

اس کے بعد آپ مختلف طریقوں پر بحث کرتی رہیں جن سے ملک کی سیاسیات میں مردوں اور عورتوں کا تناسب مناسب حد تک رہ سکتا ہے۔ انہوں نے واضح الفاظ میں بتادیا۔ کہ اگر فرانسیسی عورتوں کو رائے دہندگی کا حق دیدیا جائے۔ تو یہ بات نہ صرف ملک کی سیاسی حالت کے لئے مفید ہوگی۔ بلکہ معاشرتی زندگی پر بھی اس کا نہایت خوشگوار اثر پڑے گا" پھر فرمایا: لیکن مردوں کو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ اگر انہوں نے ہمارے جائز حقوق دینے میں لیت ولعل یا شاطرانہ چالوں سے کام لیا۔ تو ہم خود اپنی طاقت سے یہ تمام حقوق حاصل کر کے رہیں گی۔ اور اس حالت میں کشمکش کے باعث جو ناخوشگوار نتائج پیدا ہوں گے۔ ان کی ذمہ داری تمام تر مردوں پر عائد ہوگی۔

اخبار کے نمایندے نے سوال کیا۔ کہ کیا فرانس کی تمام عورتیں سیاسی حقوق حاصل کرنے کی خواہش مند ہیں؟ آپ نے نہایت زوردار الفاظ میں جواب دیا " تمام فرانس میں بلند حوصلہ اور سیاسی حقوق کی خواہش مند نسوانی انجمنیں موجود ہیں۔ یہ واقعی بڑی شرم کی بات ہے۔ کہ فرانس کی عورتوں کو دنیا بھر میں سب سے بعد ہوش آیا ہے۔ اس وقت ہم بالکل ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہیں۔ ہمارے سامنے کوئی عملی کام نہیں۔ لیکن جلد ہی ہمیں اپنی طاقت اور قابلیت کا مظاہرہ کرنا پڑے گا۔ اور اس وقت ہمیں تندرسے کام لینے میں بھی ذرا تامل نہ ہوگا۔

ہوا باز خاتون

مشہور ہواباز خاتون مسز کیتھ ملر اپنے ہلکے ہوائی جہاز "ریڈرروز" میں کپتان لنکاسٹر سمیت آسٹریلیا پہنچ گئی ہیں۔ چونکہ آپ کی آمد کے متعلق کسی کو اطلاع نہ تھی۔ اس لئے جب آپ پورٹ ڈارون میں اتریں۔ تو استقبال کے لئے کوئی بھی موجود نہ تھا۔

مسز ملر آسٹریلیا کے ایک اخبار نویس کی اہلیہ ہیں۔ آپ نے یہ سفر بعض احباب کے حوصلہ شکن مشوروں کے باوجود جاری رکھا۔ آپ نے کپتان لنکاسٹر کے ہمراہ "ریڈرروز" میں تیرہ ہزار میل طے کئے۔ آج تک کسی عورت نے اتنا لمبا ہوائی سفر نہیں کیا۔ مسز ملر کا خیال تھا۔ کہ یہ سفر زیادہ سے زیادہ چھ ہفتے میں ختم ہو جائے گا۔ لیکن راستے میں بہت سی رکاوٹیں پیش آنے کے باعث زیادہ عرصہ لگ گیا۔ ایک مرتبہ تو ایسا خطرناک حادثہ پیش آیا۔ کہ ان دونوں بلند ہمت ہوابازوں کی جان کے لالے پڑ گئے۔

خبریں اور نوٹ

قسطنطنیہ کی یونیورسٹی کے طلباء نے تجویز پیش کی ہے۔ کہ ترکی مدراس میں جرمن زبان کو ذریعۂ تعلیم بنایا جائے۔ کیونکہ ترکی زبان کے ذریعے جدید علمی خیالات کا اظہار نہیں کیا جا سکتا۔ اس تجویز میں طلباء نے جاپان کی مثال دی ہے۔ کہ وہاں کی یونیورسٹیوں میں انگریزی زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دیا گیا ہے۔

مصریوں نے عام جلسوں کے متعلق پولیس کے اختیارات کم کرنے کا جو قانون بنایا ہے۔ وہ مصری پارلیمنٹ میں منظور ہو گیا۔ اور سینٹ کی منظوری کے لئے پیش ہے۔ حکومت برطانیہ کو اس قانون پر اعتراض ہے۔ اس کے خیال میں اس سے برطانوی اختیارات پر خطرناک پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔ اور غیر ملکی حقوق محفوظ نہیں رہتے۔ چنانچہ اس نے "قانون اجتماع عامہ" کے خلاف کئی یادداشتیں بھیجیں۔ اور لکھا۔ کہ مصر میں لاکھوں غیر ملکی آباد ہیں۔ جن میں اطالوی۔ یونانی ارمن اور فرانسیسی سب ہی اقوام کے لوگ شامل ہیں۔ اگر یہ قانون نافذ ہو گیا۔ تو اس سے غیر ملکیوں کا جان و مال خطرے میں پڑ جائے گا۔ پچھلے تجربوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جس وقت بد امنی پھیلتی ہے۔ تو غیر ملکی عیسائی آبادی مظاہرہ کرنے والوں کے مظالم کا نشانہ بنتی رہی ہے۔ لیکن نحاس پاشا وزیر اعظم نے ان تمام یادداشتوں کو تسلیم نہیں کیا۔ بالآخر ۲۹۔ اپریل کی رات کو حکومت برطانیہ کی طرف سے ایک آخری یادداشت نحاس پاشا کے حوالے کر دی گئی۔ جو بمنزلہ اعلان جنگ کے ہے۔ اور جس میں صاف طور پر لکھا ہے۔ کہ اگر مصر نے تین دن کے اندر اندر قانون اجتماع عامہ واپس نہ لیا۔ تو حکومت برطانیہ غیر ملکی حقوق کی حفاظت کی ذمہ داریوں کو قائم رکھنے کے لئے ایسی تدابیر اختیار کرے گی۔ جو اس کے خیال میں ضروری ہوں۔

۳۰۔ اپریل کو مصری کابینۂ وزارت نے اپنے اجلاس میں برطانوی طریق عمل پر بحث کی۔ اس کے بعد وزیر اعظم مصر نے شاہ فواد سے بر سر اجلاس ملاقات کی۔ نحاس پاشا کی پارٹی کے ایک ہم خیال اخبار نے اشارۃً لکھا ہے۔ کہ قانون اجتماع عامہ کو ملتوی رکھا جائے۔

حکومت برطانیہ نے مصر کے خلاف جنگی جہازوں کا مظاہرہ شروع کر دیا ہے۔ اور مالٹا سے پانچ چھ جنگی اور آہن پوش جہاز بندرگاہ اسکندریہ کی طرف چل پڑے ہیں۔

شاہ اور ملکہ افغانستان ۲۹۔ اپریل کی رات کو دس بجے پولینڈ کے دارالسلطنت وارسا میں پہنچے۔ جمہوریہ پولینڈ کے صدر اور دوسرے ارکان حکومت نے آپ کا استقبال کیا۔ شہر جھنڈیوں سے آراستہ

کیا گیا تھا۔ اور سڑکوں کے کنارے فوج صف بستہ کھڑی تھی۔ شاہ اور ملکہ ثریا اس محل میں تشریف لے گئے۔ جو آپ کے قیام کے لئے سجایا گیا تھا۔

پولینڈ کے ہوائی جہاز کے کارخانے کا بنا ہوا ایک جہاز شاہ افغانستان کی خدمت میں تحفۃً پیش کیا گیا ہے۔

سفارت افغانستان کی طرف سے اس افواہ کی تردید کی گئی ہے۔ کہ افغانستان میں بغاوت و شورش کے آثار پائے جاتے ہیں۔

یکم اپریل سے افغانستان بین الاقوام پوسٹل یونین میں شامل ہوگیا ہے۔ اس لئے وہ تمام پابندیاں اُڑا دی گئی ہیں۔ جو اس سے پہلے کابل کی چٹھیوں پر عائد تھیں۔

عبداللہ خاں کان شناس نے قندھار کے نواح میں سونے کی کان کی رگ معلوم کرلی ہے۔ ایک رگ بہت بہتر اور ایک معمولی رگ کا پتہ چل گیا ہے۔ افغانستان کے حکام نے اس کے نمونے دیکھنے کے بعد خوشی کا اظہار کیا۔ سونا رکھنے والے پتھر کی اَور رگیں معلوم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

چین کی ایک خوب صورت سیاست دان عورت لندن گئی ہے۔ یہ خاتون حکومت نانکن کی طرف سے دول مغرب کے لئے ایک پیغام لائی ہے۔ عنقریب وہ سر آسٹن چیمبرلین سے ملاقات کر کے حکومت برطانیہ کے سامنے اپنی اہم سیاسی تجاویز پیش کرے گی۔

حکومت اٹلی نے قطب شمالی کی تحقیقات کے لئے ایک ہوائی مہم بھیجی ہے۔

برلن میں ایک جرمن لڑکے کو اپنی ماں سے ایسی محبت تھی۔ گویا وہ اس کی پرستش کرتا تھا۔ اس کی ماں کسی خوفناک مرض میں تین سال تک مبتلا رہی۔ ایک رات کو مرض کی تکلیف اس قدر بڑھ گئی۔ کہ وہ اپنی ماں کو ایسی جانکاہ تکلیف میں نہ دیکھ سکا۔ اور اسے زہر دے کر مار ڈالا۔ اس واقعہ کا علم کسی کو نہ ہوا۔ لیکن لڑکا ابھی اس حرکت پر نادم تھا۔ چنانچہ اس نے واقعہ کے تیس سال بعد خودکشی کرنے کی کوشش کی۔ مگر رشتہ داروں نے بچا لیا۔ اب وہ گرفتار کرلیا گیا ہے۔

نیو یارک کے ایک جج نے جو آج کل تفتیش جرائم کے کام پر مامور ہیں۔ اپنی تحقیقات کی بنا پر لکھا ہے۔ کہ امریکہ میں ساڑھے تین لاکھ مرد اور عورتیں مجرمانہ ذرائع سے معاش پیدا کرتی ہیں۔ اور انہوں نے پچھلے سال بارہ ہزار آدمی قتل کئے۔ اور اتنا مال لوٹا کہ اس سے نہر پناما خریدی جاسکتی تھی۔

دارالعوام میں مسٹر لائڈ جارج نے سرہنری نورمن (موٹر والا) کو چائے کی دعوت دی۔ اس دعوت میں لارڈ ریڈنگ۔ سر جان سائمن اور دوسرے سربرآوردہ لوگ شریک ہوئے۔

لندن کا ایک پبلیشر "مادر ہند" کی طرح کی ایک دوسری کتاب "دختران ہند" شائع کر رہا ہے۔ جو ایک امریکن لیڈی مس مارگرٹ ولسن کی تصنیف ہے۔ "دختران ہند" افسانے کے انداز میں لکھی گئی ہے۔ اور اس میں مس میو کی کتاب مادر ہند سے بہت کچھ مدد لی گئی ہے۔ اور ہندوستان کے مردوں پر فضول اور بے بنیاد حملے کئے گئے ہیں۔ پنجاب کا ایک واقعہ بیان کر کے اچھوتوں کی زندگی کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔

فارورڈ نے سرحد اٹلی کی ایک اطلاع شائع کی ہے۔ وہاں یہ افواہ گرم ہے۔ کہ عنقریب یا تو اٹلی کے بادشاہ دکٹر نظام سلطنت کے تحفظ کے لئے کمربستہ ہو جائیں گے۔ یا تخت سے بالکل علیحدگی اختیار کر لیں گے۔

رگبی ۳۰-اپریل- لیڈی بیلے نے لندن سے کیپ ٹاؤن (جنوبی افریقہ) تک کامیابی سے اپنا سفر پورا کر لیا۔

کوچین اور ٹراونکور کی ریاستوں کے لوگوں نے مطالبہ کیا ہے۔ کہ وہاں شراب کی بندش کر دی جائے۔ تمام بالغ اشخاص کو حق رائے دیا جائے۔ قانون مطابع منسوخ کر دیا جائے۔ اور چھوت چھات دور ہونا چاہئے۔

بنگلور میں ایک دس سال کی عمر کے لڑکے نے ایک پندرہ سال کی لڑکی کو ڈوبنے سے بچا لیا۔ لڑکی گھاٹ پر کپڑے دھو رہی تھی۔ کہ یکایک اس کا پاؤں پھسل گیا۔ اور پانی میں جا پڑی۔ ایک اسکاوٹ لڑکے مسمی رام راؤ نے لڑکی کو غوطہ کھاتے دیکھ کر چھلانگ ماری۔ اور بڑی ہمت سے کنارے پر لے آیا۔

افغانستان سے ۶ افغان طلبا انبالہ بھیجے گئے ہیں۔ جو وہاں پہنچ گئے۔ یہ لڑکے رائے بہادر پنالال کے کارخانہ "ایرانڈیا ورکس" میں آئینہ سازی کا کام سیکھیں گے۔ حضور گورنر پنجاب ۵ مئی کو اس کارخانے کا معائنہ فرمائیں گے۔

نارگند ضلع دھارار (حیدرآباد) میں ایک عام جلسہ ہوا۔ جس میں بالاتفاق قرار پایا۔ کہ حضور دالیسرائے سے استدعا کی جائے۔ کہ وہ نظام دکن کو ہز میجسٹی کا خطاب دیں۔ نیز نیدرلگاہ موصلی پٹم اور صوبہ برار نظام حیدرآباد کو واپس دیا جائے۔

کولمبو میں ایک بے رحم باپ نے اپنی بیٹی کے پاؤں جلتے ہوئے لوہے کی سلاخ سے داغے تھے۔ تاکہ وہ گاؤں میں ماری ماری نہ پھرا کرے۔ مجسٹریٹ نے اس شخص کو ایک سال قید سخت کی سزا دی ہے۔ لڑکی ایک مہینے اور دس دن ہسپتال میں رہ کر اچھی ہو گئی۔

شملہ میونسپلٹی نے اپنے یکم مئی کے اجلاس میں فیصلہ کیا ہے۔ کہ شملہ کے بازار کے رقبے میں مفت اور لازمی تعلیم فوراً جاری کر دی جائے۔

اڈیٹر صاحب سٹیٹسمین (کلکتہ) کی صاحبزادی محترمہ فرخ سلطان صاحبہ ایم اے کلکتہ یونیورسٹی کے قانون کے انٹرمیڈیٹ امتحان میں کامیاب ہوئی ہیں۔ آپ نے پردہ نشین رہ کر یہ علمی امتیاز حاصل کیا ہے۔

دہلی میں سوامی شردھانند کے قاتل عبدالرشید کی لاش پر جو فساد ہوا تھا۔ اسپشل مجسٹریٹ نے اس مقدمے کا فیصلہ سنا دیا۔ دو مقدمات میں سے پہلے میں ۲۴ اور دوسرے میں ۵۷ ملزمان کو سزائیں دی گئیں۔ اور ایک دن سے لے کر ساڑھے تین سال تک کی مختلف سزاؤں کا حکم سنایا گیا۔

کچھ عرصے سے بمبئی کے کپڑے کے کارخانوں کے مزدوروں نے اپنی بعض شکایات کی بنا پر ہڑتال کر رکھی ہے۔ اس وقت چار پانچ کارخانوں کے سوا تمام کارخانے بند پڑے ہیں۔ اور ہڑتالیوں کی تعداد ۶۰۔۷۰ ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ ایک موقع پر بدامنی کی وجہ سے پولیس کو گولی چلانی پڑی۔ جس سے دو آدمی مرے۔ اور کئی زخمی ہوئے۔

کلکتہ کے محکمہ حفظان صحت کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک مرد نوجوان کے مقابلے میں ۱۵ اور ۲۰ سال کی عمر کی چھ لڑکیاں تپ دق کے مرض کا شکار ہو رہی ہیں۔ ہیلتھ آفیسر کی رائے ہے۔ کہ اس مرض کا بڑا سبب پردہ کی رسم اور کم سنی کی شادی ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے۔ کہ کلکتہ میں ہر وقت تپ دق کے دس ہزار مریض موجود رہتے ہیں۔

مسلم خواتین مدراس نے اپنے ایک جلسے میں اتفاق رائے سے قرارداد پاس کی ہے۔ جس میں گورنمنٹ اور مدراس کارپوریشن سے درخواست کی گئی ہے۔ کہ وہ شہر کے گنجان آباد حلقوں میں ہندو اور مسلمان مستورات کے لئے پردہ پارک بنائیں۔

انڈین ڈیلی میل کو معلوم ہوا ہے۔ کہ حکومت نظام کی طرف سے گورنمنٹ ہند کو ایک عرضداشت بھیجی گئی ہے۔ جس میں ان امور کے متعلق اظہار رائے کیا گیا ہے۔ جن کی بنا پر بٹلر کمیٹی ہندوستانی ریاستوں کی تحقیقات کرے گی۔ اور لکھا ہے۔ کہ حیدرآباد اور برٹش گورنمنٹ کے درمیان تعلقات کا تصفیہ اسی طریق پر کیا جائے۔ جس طرح ایران افغانستان اور مصر کے متعلق کیا جاتا ہے۔

راجہ غضنفر علی خاں ممبر لیجسلیٹو اسمبلی مہاراجہ الور کے پرائیویٹ سکرٹری مقرر ہوئے ہیں۔

انگلستان کی کنارڈ کمپنی ایک عظیم الشان بحری جہاز تیار کرنے والی ہے۔ جو دنیا میں سب سے بڑا جہاز ہوگا۔ اس کا وزن ساٹھ ہزار ٹن ہوگا۔ اور اس کے بنانے میں ساٹھ لاکھ پونڈ صرف ہونگے۔

اڈیٹرہ محترمہ آصف جہاں بیگم۔ مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ کرپا رام چھپا۔ سید ممتاز علی مالک نے ... شائع کیا